صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک

ڈاکٹر سید مجتبےٰ احسن کامونپوری

مہاجرین مکہ کی اپنے پیدائشی حق سے محرومی

مکہ سے مدینہ کی طرف رسول خداؐ کی ہجرت کے بعد چھ سال کا عرصہ حفاظتی اور دفاعی سرگرمیوں میں گزر گیا۔ ہجرت کے پہلے ہی سال حکم الٰہی کے مطابق جناب رسول خداؐ نے مسجد اقصیٰ کے بجائے مسجد حرام کو قبلہ قرار دیا۔ تمام مسلمان خانہ کعبہ کے رُخ پر عبادت کرنے لگے۔ جس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ نے مکہ معظمہ میں کی تھی۔

صدیوں سے عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کو اس کے تقدس کی بنا پر پناہ گاہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اگر کوئی مجرم اس میں پناہ حاصل کرلیتا تو اسے گرفتار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عرب کے کل چھوٹے بڑے ادنیٰ واعلیٰ قبیلے خانہ خدا کے طواف وحج کا مشترک حق رکھتے تھے۔

مگر قریش کو ضد تھی کہ رسول خداؐ اور مسلمانوں کو مسجد حرام کی زیارت وحج کی اجازت نہ دیں گے۔ مسلمانوں کو اپنے اس پیدائشی حق کی محرومی کا سخت دکھ تھا۔ وہ بار بار اس زور وزبردستی پر احتجاج کرتے رہے۔ قرآن مجید نے اس احتجاج کا کئی جگہ ذکر کیا ہے۔[1]

قریش نے مسجد حرام کا خدا ہبل واساف ونائلہ اور دوسرے بتوں کو تجویز کر رکھا تھا اور اسلام پتھر کو جمادات کی صنف میں رکھتا تھا۔ اس اختلاف نظر نے قریش کو مسلمانوں پر ہر قسم کی زیادتی وستم رانی کا حق دے دیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو مکہ سے جلا وطن کر سکتے تھے۔ انہیں جسمانی اذیت پہونچا سکتے تھے۔ مکہ مہاجرین کا وطن تھا انہیں اپنے وطن کی یاد ستاتی تھی خانہ کعبہ قریش کی ملکیت نہ تھا۔ تمام عربی قبائل کی نظر میں سے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

اسلام نے جہاں توحید کا عقیدہ پیش کیا تھا۔ اور انسان کی روحانی وجسمانی ترقی کے لئے ایک وسیع نظام دیا تھا مسلمانوں پر خانہ کعبہ کا حج بھی لازم قرار دیا تھا۔ مہاجر وانصار بلکہ کل مسلمان طواف

۱۔ سورۂ انفال، آیہ ۳۴ تا ۳۶

و حج کعبہ کے لیے بے تاب تھے اور ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کا اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا کہ ایک دن انہیں اپنا حق مل کر رہے گا۔ اور وہ پوری آزادی واطمینان سے اللہ کے گھر میں عبادت کی سعادت حاصل کریں گے۔ جنگوں کے قافلے گزرتے رہے۔ بدر و اُحد وخندق اور دوسری لڑائیاں مسلمانوں کے بے مثال جذبۂ قربانی کی گواہ بنتی رہیں۔ مسلمانوں کا ہر نیا دن ترقی کا دن بنتا گیا۔ قریش مکہ اپنا وقت اپنی اصلاح وترقی میں صرف کرنے کے بجائے مسلمانوں کی تخریب میں معماری صلاحیتیں ضائع کرتے رہے۔

رسول خداؐ کا امید افزا خواب

ایک دن صبح کو مسلمان مسجد الٰہی میں نماز کے لئے آئے ہوئے تھے حضرتؐ نے ان سے اپنا خواب بیان فرمایا کہ تم لوگ انشاء اللہ جلد ہی بغیر کسی خوف کے اپنا سر منڈوا کر مسجد حرام میں داخل ہوگے مسلمانوں کے لئے یہ خواب بہت بڑا مژدہ تھا ان کے دل اس خوش خبری کی مسرت سے بھر گئے۔ سب نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ خوش خبری مدینہ کے ایک ایک گوشے میں بجلی کی چمک کی طرح پھیل گئی۔ جس نے یہ خبر سنی ہوگی فطری طور پر اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا ہوگا کہ مسجد حرام میں داخلہ کیسے ہوگا۔ مسلمان اہل مکہ سے لڑکر طواف خانہ کعبہ کا حق حاصل کریں گے یا قریش کی فوجی طاقت اتنی ناکارہ ہوجائے گا کہ وہ مسلمانوں سے کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔ جس طرح دریا میں مد و جزر ہوتا ہے زندگی بھی ان مرحلوں سے گزرتی ہے۔ جنگ احزاب میں ناکامی کے بعد سے قریش کی جنگی ہمت پست ہونے لگی تھی۔ اسلام کے شدید دشمن ابوجہل و ابولہب وغیرہ مسلمانوں کی تلواروں سے موت کی نیند سو چکے تھے۔ مسلسل لڑائیوں سے قریش کے وسائل و آمدنی پر بھی بہت خراب اثر پڑا تھا۔ اس لیے یہ قیاس کیا جاسکتا تھا کہ اب قریش کی عصبیت وضد وناعاقبت اندیشی میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ہوگی۔

رسول خداؐ کے خواب کی نوعیت میں اشارہ تھا کہ مسلمانوں کا مسجد حرام میں داخلہ بغیر طاقت کے استعمال کے ہوگا۔

عمرہ کی تیاری

۶ ہجری میں یکم ذی قعدہ کو جناب رسول خداؐ نے عمرہ بجالانے کے لئے مکہ کا قصد فرمایا۔ ستر اونٹ

قربانی کے لئے ساتھ لیے ''مسجد شجرہ'' میں احرام باندھا۔ ایک ہزار پانچ سو بیں یا چار سو آدمی عمرہ کے لئے آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ امہات مومنین میں آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت ام سلمہ تھیں۔[۱]

غیر مسلم قبائل کو بھی آپ نے اس سفر میں شرکت کی دعوت دی تھی کہ قریش کی بے جا ضد کے وہ بھی گواہ رہیں اور مسلمانوں کے فطری حق میں ان کی حمایت کریں۔[۲]

ذی قعدہ کے مہینے میں سفر، جو مشرکوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک ایک محترم مہینہ تھا اور جس میں بغیر اختلاف جنگ حرام تھی حضرت کے مقصد کی پاکیزگی پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی تھا۔ جنگی ہتھیار بھی ساتھ نہیں لئے گئے صرف اتنے ہتھیار ساتھ تھے جسے عام طور پر ہر ایک مسافر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ تلواریں نیاموں میں تھیں۔ راستے میں ایک شب بارش ہوئی۔ صبح کو نماز پڑھ کر حضرتؐ نے حاضرین کے سامنے ایک مختصر تقریر فرمائی۔ جس کا موضوع عقیدہ توحید و شرک تھا۔

حضرتؐ نے فرمایا جو یہ کہے کہ بارش اللہ کی رحمت وفضل سے ہوئی اور اس کے رزق عطا کرنے سے، وہ مومن ہے۔ اور جو یہ کہے کہ ستاروں کے اثر سے بارش ہوئی وہ کافر ہے۔[۳]

حضرتؐ نے فاعل حقیقی اور موثر اصلی اور ارباب و وسائط کے فرق کو واضح کیا۔ کچھ لوگ ستاروں کو ہی بارش کا موثر حقیقی سمجھتے تھے اور خدا کی رحمت وفضل تک ان کا ذہن نہیں جاتا تھا۔ اس سفر میں حضرتؐ کے ساتھ بعض غیر مسلم بھی تھے اور وہ موثر حقیقی و وسائط میں فرق نہیں کرتے تھے اس لئے اس کے مخاطب اگرچہ مسلمان تھے لیکن غیر مسلم ساتھیوں کی فکری اصلاح بھی مدنظر رہی ہوگی۔

جب حضرتؐ ''ثنیہ المرار'' پر پہونچے تو آپ کی اونٹنی جس کا نام ''قصوا'' تھا بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا۔ یہ سرکشی کررہی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا سرکشی اس کی عادت نہیں ہے۔ وہ حکم خدا سے یہاں رک گئی ہے۔ یہاں حضرتؐ نے خدا کی قسم کھا کر یہ بھی فرمایا کہ قریش جو صورت بھی چاہیں گے جس میں حرمات الٰہی کی عظمت ہو تو میں اسے مان لوں گا یہ ذہنوں کو صلح پر آمادہ کرنے کا پیش خیمہ تھا۔ پھر اونٹنی کو ایڑ لگائی وہ چل کھڑی ہوئی۔ آنحضرتؐ نے دشوار گزار راستوں سے گزرتے ہوئے ''حدیبیہ'' پر سفر ختم کیا۔ حدیبیہ مکہ معظمہ سے ایک مرحلہ پر ایک کنواں تھا۔[۴]

۱۔ منتہی الامال، ج سیرۃ النبی از شیخ عباس قمی مرحوم ص ۹۵ سیرۃ ابن ہشام ۲/۲۱۰
۲۔ حیات محمد از ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری مطبوعہ ص ۳۵۴ و ۳۵۵
۳۔ بخاری، کتاب المغازی
۴۔ ج ۲، ص ۲۱۱، لباب الخیار، سیرۃ النبی از شیخ مصطفٰے علائی مشقی

قریش کی مزاحمت

ابھی رسولؐ عسفان ہی میں تھے کہ قریش کو اطلاع مل گئی کہ رسولؐ خدا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرہ بجالانے کے لئے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔قریش نے رسولؐ خدا کو روکنے کے لئے منصوبہ بنایا۔خالد بن ولید وعکرمہ بن ابی جہل کو ہراول کے طور پر دوسو سواروں کے ساتھ روانہ کیا تا کہ رسول خدا کو مکہ میں نہ داخل ہونے دیں لیکن مسلمان دوسرے نشیبی راستے سے حدیبیہ پہونچ گئے۔

قریش نے اپنے سفیر بھیجے تا کہ رسول خداؐ کے آنے کا مقصد معلوم کریں۔ بدیل بن وقار خزاعہ کے کچھ آدمیوں کے ساتھ بھیجے گئے۔ ان لوگوں نے تسلیم کرلیا کہ رسول خداؐ جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ خانۂ کعبہ میں عمرہ بجالانے کے لئے آئے ہیں۔سفیر نے حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا تھا لیکن عوام مصلح کی سنجیدگی پر شک کرتے ہیں اور اشتعال انگیز فتنہ جو وخود غرض رہنماؤں کے گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ بدیل پر معقول بات کہنے کی وجہ سے اہل مکہ نے تہمت لگائی۔

قریش نے دوسرا سفیر بھیجا۔اس نے بھی جب رسول خداؐ سے باتیں کیں تو اس پر ثابت ہوگیا کہ حضرتؐ عمرہ ادا کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ جنگ کرنا آپ کے مقصد کے خلاف ہے۔ اس نے اپنے تاثرات قریش سے بیان کیے۔ اس کی بات بھی رایگاں گئی۔قریش کو اب ایک اور شرارت سوجھی۔قریش کے حلیفوں میں احابیش تھے۔ تیرانداز عرب کی یہ ایک قوم تھی انہیں احابیش یا تو کالے ہونے کی وجہ سے کہا گیا یا اس لیے کہ یہ حبش پہاڑ کے قریب رہتے تھے قریش نے احابیش کے سردار ''حلیش'' کو سفیر بنا کر بھیجا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر رسولؐ خدا ان کی باتیں نہ مانیں گے تو قریش انہیں بھڑکا کر جنگ میں شریک کرلیں گے جب احابیش کا سردار حلیش مسلمانوں کے پاس آیا تو رسول خداؐ نے قربانی کے جانور اس کے سامنے کھلوادئے تا کہ وہ سمجھ لے کہ قریش جنگی فضا پیدا کررہے ہیں اور زیادتی سے کام لے رہے ہیں مسلمان صرف عمرہ بجالانے کے لئے آئے ہیں۔ اور ان کی آمد کا مقصد صرف عمرہ بجالانا ہے۔ اور ان کی آمد کا مقصد بالکل پاک وصاف ہے۔ اور اس میں کوئی سیاسی غرض شامل نہیں ہے۔حلیش قربانی کے ستر جانور دیکھ کر رسول خداؐ کے سفر کے حقیقی مقصد تک پہونچ گیا۔ اور اُسے یقین ہوگیا کہ قریش کا رویہ صحیح نہیں ہے۔ اور وہ بے جا ضد سے کام لے رہے ہیں۔ اس نے جو دیکھا کہ اس کی روشنی میں قریش کو صحیح مشورہ دیا۔قریش اسے برا بھلا کہنے لگے۔حلیش ان کی بے ادبی سے بگڑ گیا اور اس نے کہا کہ ہم اس لئے تمہارے حلیف نہیں بنے ہیں کہ تم ان لوگوں کو کعبہ

کی زیارت سے روکتے پھر وجو عقیدت و خلوص کے ساتھ اس مقصد کے لئے آئے ہیں۔ قریش نے حلیش کی خفگی کے انجام کو محسوس کیا اور اس کے غصہ کو ٹھنڈا کیا اور اس سے کہا کہ ہمیں موقع دو کہ ہم اس مسئلہ پر کچھ اور غور کر سکیں۔[1]

اب قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کی سفارت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ عروہ کے علم میں تھا کہ قریش پہلے سفیروں کی حق گوئی پر ان کی کس قدر توہین کر چکے ہیں اور ان کے خلوص پر شک کر چکے ہیں۔ اس لئے اس نے اس خدمت کے انجام دینے سے عذر کیا۔ قریش نے کہا آپ ہماری نظر میں متہم نہیں ہیں ہم آپ کو اپنا معتمد سمجھتے ہیں اور آپ کی حکمت واصابت رائے پر مطمئن ہیں۔[2]

پہلے تو عروہ نے دھمکی اور سخت کلامی سے کام لیا رسول خداؐ کے ساتھیوں کو ''اوشاب، یا اشواب، یا اوباش'' کہا اور کہا کہ جس وقت اہل مکہ گھمسان کا حملہ کریں گے تو یہ اوباش جو آپ کے گردو پیش جمع ہیں آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔[3] حضرت ابو بکر نے اس کا سخت جواب دیا۔

رسول خداؐ نے اس سے وہی باتیں کہیں جو پہلے سفیروں سے فرما چکے تھے۔ عروہ نے واپس جا کر قریش سے کہا کہ میں نے قیصر وکسریٰ ونجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمدؐ کا جو اثر ان کی قوم پر دیکھا اس کی نظیر کہیں نہیں دیکھی۔ ان کے ساتھی ان کو کسی حالت میں نہ چھوڑیں گے تمہیں اپنے طریق کار پر غور فکر سے کام لینا چاہئے۔[4]

رسول خداؐ نے دیکھا قریش کے سفیر قریش کو سمجھانے میں ناکام ہو رہے ہیں لہٰذا حضرتؐ نے خود خراش بن امیہ خزاعی کو قریش کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ کے آنے کا مقصد ان پر واضح کر دیں۔ رسول خداؐ نے خراش کو سواری کے لئے اپنا اونٹ دیا جس کو ''ثعلب'' کہتے تھے۔ قریش کے بعض سفیہوں نے اس اونٹ کو مار ڈالا اور خراش کا کام بھی تمام کرنے والے تھے۔ ''احابیش'' نے انہیں بچالیا۔ خراش نے واپسی پر رسول خداؐ سے سارا ماجرا بیان کیا۔[5]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قریش کے کچھ لوگ فریقین میں جنگ چھڑ جانے میں اپنا فائدہ سمجھتے تھے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ قریش کے چالیس پچاس آدمی چاہتے تھے کہ رسول خداؐ کے لشکر میں سے کسی کو کوئی نقصان پہونچادیں۔ محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے کہ شب کو یہ لوگ رسول خداؐ کی فوج پر سنگ

۱- سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۱۳ ۲- حیات محمد، محمد حسین ہیکل، ص ۳۵۹ ۳- سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۱۳

۴- سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۱۴ ۵- ایضاً

باری کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان لوگوں کو گرفتار کرلیا۔ رسول خداؐ نے انہیں معاف کردیا یہ لوگ مکہ چلے گئے۔ ۱

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت عمر کو بلایا تا کہ انہیں مکہ بھیجیں اور وہ ان کے ذہن میں صحیح بات ڈال دیں۔ حضرت عمر نے عذر کیا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ وہاں قبیلہ بنی عدی میں سے کوئی نہیں رہ گیا۔ یہ لوگ ہوتے تو میری حفاظت کی ذمہ داری لیتے۔ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کا کیسا دشمن ہوں۔ آپ عثمان بن عفان کو بھیجئے ان کے قبیلہ والے ان کی حفاظت کریں گے۔ جناب رسول خداؐ نے حضرت عثمان کو قریش کے پاس بھیجا تا کہ وہ حضرتؐ کے آنے کا مقصد انہیں سمجھادیں۔ اور صراحت سے ان سے کہہ دیں کہ میں لڑنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ کعبہ کی زیارت میرا مقصد ہے۔ جب حضرت عثمان مکہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید بن عاص نے ان کو پناہ دی۔ ۲

بیعت رضوان

حضرت عثمان نے جناب رسول خداؐ کا پیغام پہونچا دیا۔ قریش نے ان کو روک رکھا یہ افواہ اڑگئی کہ مشرکین مکہ نے حضرت عثمان کو قتل کردیا۔ مسلمانوں کا اپنے سفیر کے قتل کی خبر سے اضطراب ایک فطری امر تھا۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوا ہے تو ہم ان سے مقابلہ کریں گے آپ نے مسلمانوں کو بیعت کے لئے بلایا۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی کہ موت سے نہ ڈریں گے اور کوئی جیتے جی میدان جنگ نہ چھوڑے گا۔ اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ ذیل کی آیت اسی موقع کی بتائی جاتی ہے۔

''جس وقت تم سے مومنین، درخت کے نیچے (لڑنے مرنے کی) بیعت کررہے تھے تو خدا ان سے (اس بات پر) ضرور خوش ہوا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اللہ نے اسے دیکھ لیا۔ بلکہ ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں اس کے عوض میں بہت جلد فتح عنایت کی۔ ۳

پھر جناب رسول خداؐ کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل کے متعلق جو خبر اڑگئی وہ افواہ سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت عثمان قید ضرور کرلیے گئے تھے لیکن ان کو رہا کردیا گیا اور وہ صحیح سلامت واپس آگئے۔

صلح حدیبیہ

فریقین میں مصالحت کی گفتگو دوبارہ شروع ہوئی۔ قریش نے سہیل بن عمرو کو اپنا معتمد بنا کر بھیجا اور صلح

۱- حیات محمد، محمد حسین ہیکل، ص ۳۵۹ ۲- سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۱۴ ۳- سورہ فتح، آیہ ۱۸

کی بات چیت شروع کی۔

اگرچہ قریش نے ناانصافی سے شرائط صلح میں اپنا مفاد غالب رکھا۔لیکن جنگ سے طرفین کا جو عظیم وناقابل تلافی نقصان ہوتا اس کے مقابلے میں بعض جزئی امور میں مغلوبیت رسول خداؐ کی حکیمانہ نظر میں قابل برداشت تھی۔بعض اونچے مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خداؐ وحی الٰہی کی طرف سے صلح پر مامور تھے اور جن امور پر آپ راضی ہوگئے۔ وہ وحی کی روشنی میں تھے۔

جس طرح کسی واقعہ کے متعلق اس کے متن اور تفصیلات میں اختلاف ہوجایا کرتا ہے صلح حدیبیہ کے متن اور تفصیلات میں معمولی اختلاف ملتا ہے۔ عہد نامہ صلح میں لکھا گیا کہ فریقین دس سال (دوسال یا چار سال) جنگ نہ کریں گے۔

۲- اس سال مسلمان بغیر عمرہ ادا کیے واپس چلے جائیں سال آئندہ آئیں اور تین دن تک حرم مکہ کی زیارت کریں۔

۳- اگر مکہ سے کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ میں مسلمانوں کے پاس چلاجائے گا تو مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ وہ اسے واپس کردیں۔ اور اگر کوئی مسلمان مرتد ہوکر مدینہ سے مکہ چلا جائے گا تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

۴- قبائل عرب اپنی مرضی سے معاہدہ کرنے میں آزاد ہیں۔ جو چاہے محمدؐ سے معاہدہ کرے اور جو چاہے قریش کا حلیف بن جائے۔

ناجنگ معاہدہ دس سال کے لئے ہوا تھا اس کی روایت ابن اسحاق نے کی ہے۔ ابن سعد بھی اسی خیال کے موئید ہیں۔ زرقانی نے مواہب لدنیہ قسطلانی کی شرح میں لکھا ہے کہ جس روایت میں مصالحت کی مدت چار سال ہے اس کی سند ضعیف ہے اور صحیح کے مخالف ہے۔[1]

صلح نامہ کے کاتب

صلح نامہ کے کاتب حضرت علیؑ تھے۔بعض لوگوں نے محمد بن مسلمہ کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ زرقانی نے جمع وتوثیق روایات سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ اصل صلح نامہ تو حضرت علیؑ ہی نے لکھا تھا سہیل بن عمرو کے لئے اس کی نقل محمد بن مسلم نے کی۔[2]

محدث دہلوی مولانا عبدالحق صاحب نے مدارج النبوہ میں لکھا ہے کہ اوس بن خولی انصاری فن

۱- زرقانی، شرح مواہب لدنیہ، ج ۲، ص ۱۹۵ ۲- ایضاً

کتابت میں ماہر تھے۔ جناب رسول خداؐ نے معاہدہ لکھنے کے لئے ان کو بلایا۔لیکن سہیل نے کہا کہ ''یہ تحریر آپ کے بھائی علی بن ابی طالب لکھیں گے''۔[۱]

جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لکھو:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سہیل نے کہا ''ہم رحمان ورحیم'' کونہیں جانتے۔ آپ عام رواج کے مطابق باسمک اللھم'' لکھئے۔ جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا'' باسمک اللھم'' لکھ دو۔ حضرت علیؑ نے تعمیل حکم کی۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا لکھو:'' ھذا ما قاضی بدأ محمد رسول اللہ'' حضرت علیؑ نے یہ عبارت لکھ دی۔ سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو خدا کا رسولؐ سمجھتے ہوتے تو آپ کو خانۂ خدا کی زیارت سے منع ہی کیوں کرتے۔ آپ صرف ''محمدؐ بن عبد اللہ'' لکھیے۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ ''میں محمد رسول اللہؐ بھی ہوں اور محمدؐ بن عبد اللہ بھی ہوں۔ لکھدو ''محمد بن عبد اللہ'' اور مٹادو لفظ رسول اللہ''۔

امتناع عین امتثال

حضرت علیؑ نے فرمایا مجھ سے لفظ ''رسول اللہ نہیں مٹایا جاسکتا''۔ عقیدۂ رسالت جناب رسول خدا حضرت علیؑ کی فطرت ان کے شعور ان کی عقل اور ان کے ضمیر میں راسخ تھا۔ ان کے رگ وپے میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا یہ موقع حضرت علیؑ کی عقل ربانی اور عشق رسالت کے کمال کا مظہر بن گیا۔ امتناع عین امتثال کی یہ تنہا مثال ہے۔ مخصوص حالات میں امرادب میں کسی ایک کی ترجیح کا یہ نادر موقع تھا۔ محدث دہلوی مولانا شاہ عبد الحق صاحب کا قلم اس مقام پر پہونچ کر وجد و ابتہاج سے حرکت میں آگیا۔ موصوف نے لکھا ہے:

''ایں امتناع علی از محوؐ لفظ رسول اللہ نہ از باب ترک امتثال است کہ مستلزم ترک ادب است بلکہ عین امتثال و ادب و تاسی از غایت عشق و محبت است''۔[۲]

علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی نے اس مقام پر ایک لطیف و نازک نکتہ کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں:

"قال العلماء و ھذا الذی فعلہ علی من باب الادب المستحب۔ لان العظیم اذا امر بشیٔ و ظن المامور انہ لم یحتمہ بالادب فی حقہ التوقف حتی یتحقق ماعند الامر[۳]

یعنی علما نے کہا ہے کہ علیؑ کا یہ فعل ''ادب مستحب'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ عظیم جس

۱- زرقانی، شرح مواہب لدنیہ، ج ۲، ص ۱۹۵ ۲- مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۲۸۶ ۳- شرح مواہب لدنیہ، ج ۲، ص ۱۹۶

وقت کوئی حکم دے اور مامور یہ سمجھے کہ یہ امر حتمی نہیں ہے تو اس کو توقف سے کام لینا چاہئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ آمر کا منشا کیا ہے۔

ایک پیشین گوئی

جناب رسول خداؐ حضرتؑ کے اس والہانہ عاشقانہ ادب وخلوص سے شدت سے متاثر ہوئے۔

امام نسائی کے حوالے سے علامہ زرقانی نے اس موقع کی جناب رسول خداؐ کی ایک پیشین گوئی نقل کی ہے جس سے حال ومستقبل میں حضرت علیؑ کے دینی کردار پر انتہائی تیز روشنی پڑتی ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: ''اما ان لک مثلھا و ستاتیھا و انت مضطر۔[1]

علامہ زرقانی اس پیشین گوئی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے (حضرت علیؑ کے عہد میں) حضرت علیؑ اور امیر معاویہ کے درمیان نزاع میں جو حکم مقرر ہوئے تھے اور اس موقع پر جو بات پیش آئی تھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جنگ صفین کے سلسلے میں حکمین کے مقرر ہونے کے موقع پر کاتب نے لکھا۔ ''ھذا اما صالح علیه امیر المومنین'' امیر معاویہ نے کہا کہ اگر میں آپ کو امیر المومنین سمجھتا ہوتا تو یہ نزاع کیوں ہوتی۔ امیر المومنین کے لفظ کو مٹا دیجئے۔ ''علیؑ ابن ابی طالب لکھئے۔ حضرت علیؑ نے اس موقع پر فرمایا تھا ''الله اکبر مثل بمثل محمد'' یہ صلح حدیبیہ کے واقعہ سے کس قدر مشابہ ہے۔[2]

محدث دہلوی مولانا شاہ عبد الحق نے معارج النبوت کے حوالہ سے جناب رسول خدا کی اس پیشین گوئی کو درج فرمایا ہے۔[3]

ایک دل گداز واقعہ

ابھی عہد نامہ کی روشنائی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ایک پر درد واقعہ پیش آگیا۔ سہیل بن عمرو جس نے قریش کی طرف سے صلح نامہ پر دستخط کیے تھے جناب رسول خداؐ کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا بیٹا ابو جندل عامری الم انگیز صورت میں سامنے آگیا۔ ابو جندل مسلمان ہوگیا تھا اس کی سزا میں اس کے باپ سہیل نے اسے ہتھکڑی بیڑی پہنادی تھی اور قید کردیا تھا وہ کسی طرح قید سے نکل کر پاؤں کی بیڑیوں کو سنبھالتا ہوا رسول خداؐ کے پاس اچانک آ کھڑا ہوا اس نے حضرتؐ سے اپنے باپ کے ظلم کے خلاف فریاد کی اور کہا: ''مجھے اسلام کے قبول کرنے کی سخت سزائیں دی جارہی ہیں۔ آپ مجھے ان

۱۔ قسطلانی، شرح مواہب لدنیہ، ج ۲، ص ۱۹۶ مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ ۲۔ ایضاً ۳۔ مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۲۸۶

کے ظلم سے نجات دلائیں۔ اس کی حالت زار سے سب مسلمان غمگین ہوگئے۔ خود جناب رسول خداؐ کے دل پر کیا بیتی ہوگی اس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر پیغمبر موید من اللہ ہوتے ہیں۔ وحی ربانی حالات کا آغاز وانجام ان کے پیش نظر کر دیتی ہے۔ صبرو برداشت، حلم وضبط نفس ان کا پیغمبرانہ جوہر ہوتا ہے۔ انسان کا درد سب سے زیادہ ان کے دل میں ہوتا ہے۔ خدا کا خوف اور اس سے محبت میں وہ ساری امت سے بالاتر ہوتے ہیں۔ دین کے احترام و اعزاز کی سب سے زیادہ فکر انہیں ہوتی ہے۔ بے جا ذلت سے انکار سب سے زیادہ انہیں ہوتا ہے۔

مگر وہ الٰہی مصلحت کے تابع ہوتے ہیں ان کے جذبات کی عنان حکمت ومصلحت کے ہاتھوں میں ہوتی ہے ابو جندل کی حالت زار اور اس کی دردناک فریاد نے مسلمانوں کے دل ہلا دیئے۔ مگر جناب رسول خداؐ کوہ ضبط بنے رہے۔ سہیل نے کہا۔ معاہدہ کے مطابق آپؐ کو اسے مجھے واپس کر دینا چاہیے۔ رسول خداؐ نے سہیل سے اس کی سفارش کی مگر وہ راضی نہ ہوا۔ معاملہ یوں ختم ہوا کہ حویطب بن عبد العزیٰ نے وعدہ کیا کہ وہ اُسے باپ کے تشدد سے بچائے گا۔ جناب رسول خداؐ نے ابو جندل سے فرمایا کہ ہم عہد کر چکے ہیں اس لیے تمہیں اپنے ساتھ لے جانے سے معذور ہیں۔ اللہ تمہاری جلد مدد کرے گا۔ صبر سے کام لو۔ ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔[1]

بعض مسلمانوں کی غلط فہمی

قریش نے صلح کے شرائط میں اپنا مفاد غالب رکھا تھا اور رسول خداؐ کو مصلحتاً ان شرائط کو قبول کرنا پڑا تھا۔ اس سے بعض مسلمان رنجیدہ تھے بغیر عمرہ بجالائے واپسی پر انہیں تکلیف تھی۔ انہوں نے رسول خداؐ کے خواب کو اسی سال سے متعلق کرلیا تھا اور یہ سمجھنے لگے تھے کہ اس موقع پر مکہ فتح ہوجائے گا۔ مجموعی طور پر شرائط صلح سے وہ مطمئن نہ تھے۔

زرقانی نے لکھا ہے۔ ''فکرہ المومنون ذلک وامتعضوا منه'' مومنین نے اسے ناپسند کیا اور اس سے بددل ہوئے۔[2]

مولانا شاہ عبد الحق دہلوی نے لکھا ہے۔

''روز صلح حدیبیہ صحابہ بغایت اندوہناک ومحزون گشتند''۔[3] تاریخ نے دوسرے صحابہ کے بیانات قلمبند نہیں کیے اس لیے نہیں بتایا جاسکتا ہے کہ کس نے اپنی دلی تکلیف کن لفظوں میں بیان کی صرف

۱- زرقانی، ج ۲، ص ۲۰۲ ۲- ایضاً ۳- مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۲۶۶

حضرت عمر کے تاثرات تاریخ نے نقل کیے ہیں۔ غالبا اس کی وجہ یہ ہو گی کہ حضرت عمر کی بے چینی بہت بڑھ گئی تھی۔ مولانا شاہ عبد الحق دہلوی خود حضرت عمر کا بیان نقل کرتے ہیں:

''در آمد در آن روز در دل من امر عظیم مراجعت کردم با حضرتؐ کہ ہرگز مثل آن نہ کردہ بودم۔ رفتم بہ نزد رسول و گفتم کہ آیا تو پیغمبر حق نیستی؟ فرمود بلے ہستم۔ گفتم نہ ما برحقیم؟ و مخالفان ما بر باطل؟ گفت بلی۔ گفتم پس چرا ما این مذلت و حقارت کشیم، و باین طور صلح نمودہ باز گردیم۔ آن حضرت فرمود: اے پسر خطاب بدرستی کہ من فرستادۂ خدا ایم، و بی فرمانی وی نمی کنم۔ دوی ناصر و معین من است۔ او امر اضائع نخواہد گزاشت۔ عمر گفت گفتم یا رسول اللہ نہ تو ما را وعدہ کردی کہ زود باشد کہ بمکہ رویم و طواف خانۂ کعبہ بجائی آریم؟ فرمود آری کردم، ولیکن نہ گفتم کہ امسال۔ عمر غم مخور کہ تو بزیارت کعبہ خواہی رسید۔

گفت عمر پس ہمچناں حزین واندوہ گین از پیش آن حضرتؐ برخواستم و بہ نزد ابو بکر صدیق رفتم۔ ہماں حکایت کہ بعرض حضرتؐ رسانیدہ بودم باری نیز گفتم و ہماں جواب کہ آن حضرت گفتہ بود از ابوبکر نیز شنیدم''۔[۱]

''یعنی اس روز میرے دل میں امر عظیم پیدا ہوا اور میں نے آنحضرتؐ سے ایسی مراجعت کی کہ اس سے پہلے کبھی نہ کی تھی۔ میں نے رسول خداؐ سے کہا کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا: میں پیغمبر برحق ہوں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا پھر ہم ایسی ذلت وحقارت آمیز صلح کیوں کر کے واپس جائیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے فرزند خطاب! یقیناً میں خدا کا رسولؐ ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ وہ میرا ناصر ومددگار ہے۔ وہ مجھے ضائع نہ فرمائے گا۔ حضرت عمر نے کہا آپ نے ہم سے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ جلد ہم مکہ جائیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں میں نے کہا تھا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال طواف کعبہ کریں گے۔ اے عمر غم نہ کرو کعبہ کا طواف تم کرو گے۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ میں اسی طرح حزین واندوہ گیں آنحضرت کے پاس سے اٹھ کر حضرت ابو بکر کے پاس گیا اور جو کچھ آنحضرتؐ رسول خدا سے کہا تھا ان سے بھی کہا اور جو جواب رسول خداؐ نے دیا تھا انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔ زرقانی نے بھی یہ بیان نقل کیا ہے۔[۲]

مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی کی رائے ہے کہ حضرت عمر کا یہ قول استکشاف واستفسار پر مبنی تھا۔[۳]

۱۔ مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۲۰۷ ۲۔ شرح مواہب لدنیہ، ج ۲، ص ۳۴ ۳۔ مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۲۸۷

لیکن اگر معاملہ استکشاف واستفسار کی حد تک ہوتا تو رسول خداؐ سے مراجعہ کے بعد اطمینان ہوجاتا۔ لیکن ان کے شدید تردد میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اور اسی لب ولہجہ میں انہوں نے حضرت ابوبکر سے اسی موضوع پر گفتگو کی۔ عرصہ کے بعد جب صلح کے مفید نتائج ظاہر ہوئے تو انہیں محسوس ہوا کہ ان کا مراجعہ بے محل تھا۔

حضرت عمر زندگی بھر اپنے اس فعل کی تلافی کرتے رہے۔ مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کا بیان نقل کیا ہے:

''عمری است کہ از وسوسۂ شیطان وکید نفس کہ درآن روزھا در خاطر من گزشتہ بود استغفاری می کنم۔ و باعمال صالحہ از صوم وصلوٰۃ واعتاق وتصدقات توسل می جویم تا کفارت آن برأت من گردد۔[۱]

یعنی عرصہ سے اس دن کے وسوسہ شیطانی وکید نفس سے میں استغفار کرتا ہوں۔ نیک اعمال جیسے نماز روزہ غلاموں کی آزادی تصدق سے توسل کرتا ہوں تاکہ اس کا کفارہ ادا کرکے بری ہوجاؤں۔ تقریباً یہی مفہوم ابن ہشام نے سیرت میں[۲] اور زرقانی نے درج کیا ہے۔

صلح حدیبیہ کا فوری اثر

اس معاہدہ کے بعد ہی قبیلہ خزاعہ نے رسول خدا سے معاہدہ کرلیا اور بنوبکر قریش کے حلیف ہوگئے مسلسل جنگ نے زندگی میں جو انقباض اور تنگی پیدا کردی تھی اس میں کمی کے آثار یہیں سے شروع ہوگئے۔

حضرت ام سلمہ کی موقع شناسی

معاہدہ کی تکمیل کے بعد تین دن تک آنحضرتؐ نے حدیبیہ میں قیام کیا۔ پھر مدینہ واپسی کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہیں سے قربانی کریں۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ صحیح بخاری میں ہے۔ تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے دخل علی الناس من ذلک امر عظیم حتی کادوا یھلکون[۳] اس شدید تاثر کا ذکر کیا ہے۔ جب لوگوں نے آنحضرتؐ کی باربار تاکید پر بھی تعمیل نہیں کی تو حضرت نہایت تکلیف کے ساتھ گھر میں تشریف لے گئے۔ زرقانی نے اس موقع کے لئے آنحضرتؐ کی نسبت فاشتدَ ذلک علیه کا فقرہ لکھا ہے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں: آنحضرتؐ نے امّ المومنین حضرت امّ سلمہ

۱- مدارج النبوہ، ج ۲، ص ۲۸۷ ۲- ۲۰۵/۲، شرح مواہب، ج ۲، ص ۲۱۶ ۳- ۲۱۷/۲، زرقانی، ج ۲، ص ۲۰۸

سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں۔ آپ نے باہر آ کر خود قربانی کی اور بال منڈوائے۔ اب جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔ ۲

تمام مغازی نگاروں نے اس مقام پر امّ المومنین حضرت امّ سلمہ کی فہم ودانش اور مزاج دانی کی داد، دی ہے۔ سیرت نگار، مورخ وادیب سب نے ان کی عظیم صلاحیتوں کو سراہا ہے۔ علامہ زرقانی نے حضرت امّ سلمہ کی آنحضرتؐ سے گذارش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وفیه فضل الشورة۔ ومشارة المراة الفاضلة وفضل امّ سلمه۔ بوفورعقلها۔ حتی قال امام الحرمین لانعلم امراة اشارت فاصابت الا ام سلمه"

''اس میں مشورہ کی فضیلت ہے۔ اور فاضلہ عورت سے مشورہ کی اجازت۔ اور ام سلمہ کے فضل اور کمال عقل کا بیان۔ یہاں تک کہ امام الحرمین نے کہا: مجھے حضرت امّ سلمہ کے سوا کسی عورت کے بارے میں علم نہیں ہے کہ اس نے مشورہ دیا ہو اور مشورہ صائب بھی رہا ہو''۔ ۱

صلح حدیبیہ شکست نہیں بلکہ فتح تھی

مسلمانوں کا قافلہ مدینہ واپس ہوگیا راستے میں یہ آیت اتری:

انّافتحنا لک فتحا مّبینا ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔ ۲

مولانا شبلی لکھتے ہیں۔ تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اسے فتح کہا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں۔ ۳

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری فاضل اس موقع پر صلح حدیبیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ صلح حدیبیہ کھلی ہوئی تھی۔ زمانے نے ثابت کردیا کہ یہ معاہدہ بلند حکمت اور عمیق نظر کا نتیجہ تھا۔ اس نے اسلام اور سارے عرب کے مستقبل پر بہت بڑا اثر ڈالا۔ پہلی بار قریش نے اس معاہدہ کے ذریعہ تسلیم کیا کہ محمدؐ باغی نہیں ہیں بلکہ قریش کے مد مقابل اور ہم مرتبہ اور ایک ریاست کے سربراہ ہیں۔ اس معاہدہ کے ذریعہ سے قریش نے اسلامی حکومت اور اس کے قیام کو تسلیم کرلیا اور یہ مان لیا کہ مسلمانوں کو بھی خانۂ خدا کی زیارت کا حق ہے۔ وہ شعائر حج کو انجام

۱۔ سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۴۲۱ ۲۔ سورہ فتح، آیہ ۱ ۳۔ سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۴۲۲

دے سکتے ہیں۔ یہ تسلیم کرلیا کہ بے شبہ جزیرۂ عرب کے مذاہب میں اسلام بھی ایک مسلم دین ہے۔

دوسال یا دس سال کے معاہدہ نے مسلمانوں کو جنوب کی طرف سے مطمئن بنادیا اب قریش کی غارت گری کا اندیشہ نہیں رہا۔ اس صلح سے اسلام کو موقع ملا کہ وہ پھلے پھولے اور پھیلے قریش ہی اسلام کی ترقی میں سدراہ تھے جب ان سے جنگ بندی معاہد ہوگیا تو اسلام کی قوت نمو اعجاز نمائی کرنے لگی صلح حدیبیہ کے موقع پر صرف ایک ہزار چار سو مسلمان آئے تھے صرف دو سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ جب جناب رسول خداؐ فتح مکہ کے لئے آمادہ ہوئے اور مکہ تشریف لائے تو آپ کے ہم رکاب دس ہزار مسلمان تھے۔ معاہدہ حدیبیہ کی حکمت پر جن لوگوں کو شک ہوگیا تھا ان کا سب سے بڑا اعتراض اس بات پر تھا کہ رسولؐ خدا نے یہ کیوں مانا کہ قریش سے جو مسلمان ہوکر مدینہ آئے گا اسے مکہ واپس کرنا ان پر لازم ہوگا اور اگر مدینہ سے کوئی مسلمان مرتد ہوکر ان کے پاس جائے گا تو وہ واپس نہ کریں گے۔ گویا حقوق میں ناہمواری پر رضامندی تھی۔ جناب رسول خداؐ نے اس کے جواب میں اسی وقت فرمادیا تھا کہ جو مسلمان مرتد ہوکر قریش کے پاس چلا جائے گو وہ ہمارے کس کام کا ہوگا اس کی واپسی سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ اور قریش میں جو اسلام قبول کرے گا اور مسلمانوں سے ملنا چاہے گا اللہ اس کے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔ بہت جلد واقعات نے حکمت نبویؐ کی تصدیق کردی۔ اور ثابت کردیا کہ اسلام نے صلح حدیبیہ سے بہت بڑا فائدہ حاصل کیا۔ معاہدہ کے چند مہینے کے بعد رسولؐ خدا نے غیر ممالک کے امرا و سلاطین کو پیام اسلام پر غور کرنے کی دعوت دی۔ تمام بڑی قومیں اس نئے دین کی اہمیت کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

واقعات نے ثابت کردیا کہ یہ رائے حکیمانہ تھی۔ ابوبصیر مسلمان تھے۔ وہ مکہ سے مدینہ چلے آئے۔ معاہدہ کی رو سے رسول خداؐ پر ان کا واپس کرنا لازم تھا قریش نے دو آدمی بھی بھیج دیے کہ معاہدہ کی رو سے ان کو ہمارے سپرد کرنا آپ کے لئے ضروری ہے۔ رسول خداؐ نے ابوبصیر سے فرمایا ہم نے قریش سے معاہدہ کیا ہے جس کی تمہیں خبر ہے۔ ہمارے دین میں غداری وعہد شکنی جائز نہیں ہے اللہ تمہارے لیے اور مکہ کے دوسرے بے سہارا مسلمانوں کے لئے کوئی راہ نکالے گا۔ ابوبصیر نے بار بار آنحضرتؐ سے کہا آپ مجھے ان مشرکوں کے حوالے کرتے ہیں جو مجھے کفر پر مجبور کریں گے۔ آپ نے فرمایا خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا۔ تم ان دونوں آدمیوں کے ساتھ مکہ واپس جاؤ۔ ابوبصیر جب ذوالحلیفہ پہونچے تو انہوں نے قریش کے ان دو آدمیوں میں سے ایک کو قتل کردیا دوسرا ڈر کر

بھاگا اور مدینہ چلا آیا اور رسول خداؐ سے پناہ مانگی اور خبر دی کہ ابو بصیر نے اس کے ساتھی کو قتل کر دیا۔ حضرت نے اسے پناہ دی تھوڑی دیر میں ابو بصیر بھی حضرت سے ملے اور عرض کی آپ نے عہد کے مطابق مجھ کو قریش کے آدمیوں کے حوالے کر دیا اب آپ کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ رسول خداؐ نے فرمایا کہ پھر قریش تمہاری واپسی کو کہیں گے تو میں واپس کر دوں گا۔ ابو بصیر یہاں سے چلے گئے۔ اور مقام ''عیص'' میں سکونت اختیار کر لی جو سمندر کے کنارے ذومرہ کے پاس تھا ادھر سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے مکہ کے مسلمانوں کو جب اس پناہ گاہ کی خبر ہوئی تو یہیں جمع ہونے لگے مکہ کے تقریباً تین سو پناہ گزین مسلمان یہاں جمع ہوگئے مکہ کے جو تجارتی قافلہ ادھر سے گزرتے یہ لوگ انہیں قتل کر دیتے اور ان کا سامان اپنے قبضے میں کر لیتے۔ قریش کو معاہدہ کی یہ شرط اب بہت مہنگی پڑی جس میں انہوں نے مسلمانوں سے عہد لیا تھا مکہ کا جو مسلمان مدینہ جائے گا اسے اہل مکہ کے حوالے کر دینا ان پر لازم ہوگا۔ وہ آخر خود ہی اس شرط کے منسوخ کرنے کے خواستگار ہوئے اور کہا کہ مکہ سے جو مسلمان مدینہ جانا چاہے اس سے کوئی روک ٹوک نہیں کی جائے گی اور مسلمانوں پر اس کے واپس کرنے کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ رسول خدا نے ابو بصیر کو عہد نامہ کی اس شرط کی منسوخی کی اطلاع دی۔ مسلمانان مدینہ واپس آگئے۔[1] وہ شرط بعض مسلمانوں پر سخت گراں گزری تھی۔ اس کا انجام سب نے دیکھ لیا کہ وہ خود قریش کے حق میں زہر قاتل ثابت ہوئی۔ جس وقت انہوں نے یہ عالمانہ شرط عہد نامہ میں مسلمانوں پر عائد کی تھی ان کی محدود نگاہ اس کے نتائج تک نہیں پہونچ سکی۔ یہ شرط مردوں کے واسطے تھی عورتوں کو رسول خداؐ نے اس سے مستثنیٰ رکھا تھا۔ قرآن مجید نے **سورۂ ممتحنہ** میں اس کا ذکر کیا ہے۔

''ایماندارو! جب تمہارے پاس ایماندار عورتیں اپنا وطن چھوڑ کر آئیں تو تم ان کی جانچ کر لو۔ خدا تو ان کے ایمان سے واقف ہی ہے۔ اگر تم ان کو مومنہ سمجھو تو انہیں کافروں کے پاس واپس نہ کرنا۔ نہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافروں کے لیے حلال ہیں''

ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ چلی آئیں اور معاہدہ کی شرط ابھی منسوخ نہیں ہوئی تھی ام کلثوم کے بھائی عمارہ اور ولید نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا حضرت نے واپس نہیں کیا اور فرمایا یہ شرط مردوں کے متعلق تھی۔[1]

۱۔ مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۲۹۴

صحابہ میں سے جن کی بیویاں مکہ میں رہ گئی تھیں اور اب تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں ان کو ان لوگوں نے طلاق دے دی۔

صلح حدیبیہ کے بعد

صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں یہود کی مدینہ کی فوجی طاقت ختم ہوگئی۔ خیبر فتح ہوگیا اور وہ یہودی جو اسلامی ریاست کی اقلیت تھے لیکن مسلمانوں کے دشمنوں سے ملے ہوئے تھے اور اسلامی ریاست کی تخریب میں ان کی دولت صرف ہوتی تھی خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں کو ایسے شر سے نجات مل گئی۔ اگر صلح حدیبیہ نے قریش کی آویزش سے مطمئن نہ کیا ہوتا تو یہودیوں کی تخریب پسندی وفتنہ پردازی کا علاج آسان نہ تھا۔

مسلمانوں کو ایک وقت میں دو دشمنوں کی شرارت سے اپنی حفاظت میں کافی دشواری پیش آئی۔ ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ بدر سے صلح حدیبیہ تک فریقین میں جو جنگیں ہوئی ہیں اور مسلمانوں کو جو فتح نصیب ہوتی رہی ہے اور ان سب میں بڑی فتح صلح حدیبیہ تھی۔ قریش اور مسلمان ایک دوسرے سے آزادانہ ملنے لگے دلیل و برہان کے کام میں لانے کا بہترین موقع ہاتھ آیا۔ آپس میں انس بڑھنے لگا اور اسلام کی خوبیوں پر توجہ کے مواقع پیدا ہونے لگے۔

ادائے عمرہ

صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں طے پایا تھا کہ مسلمان آنے والے سال میں مکہ آکر عمرہ ادا کریں گے۔ اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے ۷ھ ذی قعدہ میں عمرہ کا قصد فرمایا۔ عویف بن اصبط ویلی یا کلثوم بن حصین غفاری کو مدینہ کا حاکم بنایا۔ جو مسلمان صلح حدیبیہ کے موقع پر شریک تھے ان سب کو ساتھ لیا۔ بس وہ لوگ نہ جاسکے جو جنگ خیبر میں شہید ہوگئے تھے یا جو طبعی موت مر گئے تھے۔ معاہدہ میں شرط تھی کہ مسلمان اپنے ساتھ ہتھیار نہ لائیں گے۔ اس لئے اسلحہ جنگ ''بطن یاجج'' میں چھوڑ دیے گئے یہ مقام مکہ سے آٹھ میل پر واقع تھا۔ دو سو سواروں کا ایک دستہ ہتھیار کی حفاظت پر مقرر کیا گیا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ کے ساتھ ہتھیار ہیں اور معاہدہ میں ہے کہ آپ ہتھیار اتنا ہی لاسکتے ہیں جس کی ایک مسافر کو ضرورت پڑتی ہے اور تلواریں نیام میں ہوں

۱۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۲۱

گی۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہم حرم میں ہتھیار کے ساتھ داخل نہ ہوں گے لیکن اگر قریش نے شرارت کی تو ہتھیار قریب ہی ہونگے تا کہ ہم اپنی حفاظت کر سکیں۔ محمد بن مسلمہ فوج کے ساتھ ''مرالظہر ان'' کے قریب پہونچے تو وہاں قریش کے کچھ آدمی ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ مسلمانوں کو فوج کے ساتھ آنے کا کیا سبب ہوا۔ بتایا گیا کہ رسول خداؐ یہاں کل انشاء اللہ وارد ہوں گے۔ ان لوگوں نے قریش کو خبر کی تو وہ خوف زدہ ہوگئے۔ ان لوگوں نے کہا ہم نے نئی بات نہیں کی اور ہم معاہدہ پر قائم ہیں پھر محمدؐ سے کیوں جنگ کریں گے۔ ان لوگوں نے ''مکرز'' کو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرتؐ سے کہا کہ ہم نے آپ کے بچپنے سے اس عمر تک کبھی آپ سے کوئی عذر نہیں دیکھا آپ حرم میں اپنی قوم کے خلاف مسلح داخل ہوں گے۔ حالانکہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ صرف مسافر کے ہتھیار آپ ساتھ رکھ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ جیسا معاہدہ ہوا ہے میں اس کے مطابق عمل کروں گا۔ میں حرم میں مسلح داخل نہ ہوں گا۔ مکرز نے حضرتؐ کی نیکی و وفا کی تعریف کی۔ اور قریش کو مطمئن کیا کہ محمدؐ معاہدہ کی شرط پر قائم ہیں۔ بڑے جوش وخروش سے مسلمانوں نے عمرہ ادا کیا۔

اہل مکہ نے بد دلی سے معاہدہ میں یہ مانا تھا کہ مسلمان سال آئندہ عمرہ کے لئے مکہ آئیں گے۔ مگر جب وہ وقت آیا تو تعصب اور احساس کمتری نے قریش کے دل میں چٹکیاں لیں وہ عمرہ کے لیے مکہ میں مسلمانوں کے داخلہ کے منظر کے دیکھنے کی تاب نہ لاسکے۔ یہ لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔[۱] قریش تین دن کے بعد حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا محمدؐ سے کہئے کہ شرط پوری ہوچکی آپ مکہ سے چلے جائیں۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کو ان کا پیام پہونچادیا۔ آپ اسی وقت روانہ ہوگئے۔

فتح مکہ

رمضان المبارک ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء عرب کے نظام زندگی میں جنگ کو کافی اہمیت حاصل تھی۔ عرب امن پسندی کو حقیر سمجھتے تھے۔ جنگجو انسانوں کو سماج کی صف اوّل میں رکھتے تھے ان کی ساری ادبی فضا میں جنگ کی گونج ملے گی۔ صلح کے دن ان سے مشکل سے کٹتے تھے۔ ان کا شاعر کہتا ہے کہ اگر ہماری خودکسی سے جنگ نہیں ہوتی تو ہم کسی دوسرے کے ساتھ جنگ میں کود کر جنگ کی آگ

۱۔ زرقانی، ۲، ص ۲۵۵

بھڑکانے میں دلچسپی لیتے ہیں۔

قریش نے جناب رسولؐ خدا سے جنگ بندی معاہدہ تو کرلیا تھا لیکن جنگی افتاد طبع کو وہ کیا کرتے۔ انہیں فضا سونی معلوم ہوتی ان کا دل گھبراتا تھا۔ آخر انہوں نے جنگ سے سودا کرہی لیا اگرچہ یہ سودا بہت زیادہ مہنگا پڑا۔

قریش کی عہد شکنی

اس سے قبل یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ صلح حدیبیہ کی بنا پر قبیلہ خزاعہ آنحضرتؐ کا حلیف ہوگیا تھا اور ان کا حریف قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف ہوگیا تھا۔ ان دونوں قبیلوں میں عرصہ سے کشیدگی چلی آرہی تھی۔ بنوبکر کا سینہ اپنے حریف قبیلۂ خزاعہ کی دشمنی سے سلگ رہا تھا وہ زیادہ دن ضبط نہ کرسکے۔ قریش کے وہ حلیف بن ہی چکے تھے ان کے تعاون پر ان کو بھروسہ تھا۔ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کردیا۔ بنی بکر جنگ کے لئے چھیڑ چھاڑ کررہے تھے ان کے قبیلے کے ایک شخص نے جناب رسولؐ کی ہجو کی۔ خزاعہ اپنے حلیف کی ہجو نہ سن سکے۔ قبیلہ خزاعہ کے کسی شخص نے غصہ میں اس کا منہ اور سر زخمی کردیا۔ بنی بکر اپنے آدمی کی حمایت کو دوڑ پڑے اس طرح جنگ کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ قریش کے بعض سفیہ عکرمہ بن ابی جہل۔ صفوان بن امیہ بن عمرو وغیرہ چہروں پر نقابیں ڈال کر شبخون میں بنی بکر کے مددگار بن گئے۔ خزاعہ نے حرم میں پناہ لی لیکن وہاں بھی جان محفوظ نہ رہی۔ [۱]

اس طرح قریش نے حدیبیہ میں جو معاہدہ رسولؐ سے کیا تھا خود اپنے ہاتھوں سے اسے پارہ پارہ کردیا۔

رسولؐ کی بارگاہ میں بنی خزاعہ کا استغاثہ

عمرو بن سالم خزاعی فریاد لے کر جناب رسول خداؐ کے پاس آیا۔ آنحضرت اس وقت ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے ذیل کی نظم پڑھی۔

۱) یا ربّ انی ناشد محمدا حلف انبیا و ابیه الا تلدا

پروردگار! میں محمدؐ کو وہ معاہدہ یاددلاتا ہوں جو کہ ہمارے خاندان اور ان کے دادا عبد المطلب سے ہوا تھا۔

۲) ان قریشا اخلفوک الموعدا ونقضوا میثاق الموکدا

۱- مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۲۷۳

قریش نے آپ سے جو عدم جنگ بندی کا معاہدہ حدیبیہ میں کیا تھا آپ کے حلیف پر حملہ کر کے اسے توڑ ڈالا۔

۳) قدعموا ان لست تدعوا مدا فانصر هداك الله نصرا ابدا

انہوں نے گمان کیا کہ آپ ہماری مدد کے لئے کسی کو نہ بلائیں گے۔ آپ ہماری پائدار اور مستحکم مدد فرمایئے۔

۴) وداع عياد الله يا تو امدادا فيهم رسول الله قد تحردا

آپ بندگان خدا کو ہماری مدد کے لئے بلایئے وہ فوج در فوج آجائیں گے ان مدد کرنے والوں میں رسول خدا بھی ہوں گے جو دشمن کی سرکوبی کے لئے پوری تیاری سے آئیں گے۔

۵) ان سيم خفا وجهه تربدا هم بيونا بالوتير هجدا وقتلونا ركعا و سجدا. [1]

اگر ان کو یا ان کے کسی حلیف کو کوئی ذلیل کرتا ہے تو غصہ سے ان کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے۔ انہوں نے شب میں ہم پر حملہ کیا۔ رکوع سجدہ کی حالت میں ہمیں قتل کیا۔ عمرو بن سالم تنہا نہیں آیا تھا وہ ایک وفد کی قیادت کرتا تھا جس میں چالیس خزاعی تھے۔ [2]

تلافی کا موقع دیا گیا

جناب رسول خداؐ کو اس سانحہ سے بڑا دکھ ہوا لیکن آپ نے فوراً کوئی کارروائی نہیں کی۔ بلکہ قریش کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش فرمائیں کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کی جائے۔

۱- خزاعہ کے مقتولوں کا خوں بہا دیا جائے۔

۲- قریش نبو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳- اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش کو جب ان شرطوں کا علم ہوا تو قرظہ بن عمرو نے قریش کی طرف سے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور رہے [3] (زرقانی ۲۸۲) (لاندی ولا نبرء لكنا ننذ اليه على سواء) اس تیز مزاج و جلد باز نے حالات کا پوری طرح جائزہ لیے بغیر فتنہ کی آگ پر تیل چھڑکا۔

۱- زرقانی، ج ۲، ص ۲۹۲ ۲- ایضاً ۳- زرقانی، ص ۲۸۲

شرمندگی و پشیمانی

لیکن جب رسول خداؐ کا وفد مکہ سے واپس آ گیا تو انہیں ہوش آیا کہ ان لوگوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھودی ہے۔ وہ اس وقت نادم ہوئے جبکہ ندامت ایک ذہنی کرب تو بن سکتی ہے لیکن اس سے دوسرے کو متاثر نہیں کیا جا سکتا۔

صلح و امن کی معقول تجویزوں کو ٹھکرا کر معاہدہ حدیبیہ کی شکست پر اصرار کرنا بڑا احمقانہ فعل تھا لیکن اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ قریش نے رسولؐ خدا کے ساتھ بے ادبی و جسارت و گستاخی و ایذا رسانی کی کون سی صورت اٹھا رکھی تھی کہ ان میں سے کوئی شخص اس جسارت پر معافی مانگتا اور صلح حدیبیہ کی توسیع و تحفظ و تجدید کی درخواست کرتا۔

ابوسفیان کی ناکام کوشش

البتہ ان میں ابوسفیان ایک حیا دار شخص تھے جنہوں نے جذبۂ حیا و غیرت کو مغلوب کر لیا تھا۔ اور وہ وقت و مصلحت کی تبدیلی سے ہر وقت بدل سکتے تھے۔ رسول خداؐ سے بہتر اپنے معاصرین کے نفسیات سے کون باخبر تھا۔

آنحضرتؐ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ ابوسفیان آنے والے ہی ہیں۔ مگر یہ بھی یہ نہ کہیں گے کہ معاہدہ تجدید کر دیجئے اور اس کی مدت بڑھا دیجئے۔[۱] مکہ میں رسول خدا اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن کا نام ابوسفیان تھا۔ یہ آگ پر تیل چھڑکنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ان کی بیوی ہندہ نے جنگ احد میں تہذیب انسانی کی صورت جس طرح بگاڑی تھی اسے ساڑھے تیرہ سو سال کی مدت میں مسلم و غیر مسلم مورخ عموماً نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔ معاہدہ حدیبیہ کے ٹوٹ جانے کے بعد ہندہ کو اپنے اعمال کے ردعمل کے تصور نے بدحواس کر دیا۔ وہ ڈراؤنے خواب دیکھنے لگی۔ ابوسفیان نے ہندہ کی اس ہیجانی کیفیت اور اس کے خوفناک خواب کا حرث بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے ذکر کیا۔

قد رأت هند بنت عتبه رويا كرهتها و خفت من شرها. قالوا. وماهي قال مارات دما اقبل من الحجون بسيل حتى وقف بالخندمه مليا ثم كان انک الدم كان لم يكن

۱۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۳

فکر هو الرویا۔[1]

ہند بنت عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے جس کے شر سے میں خوف زدہ ہوں۔ لوگوں نے پوچھا وہ خواب کیا ہے؟ اس نے کہا اس نے خواب دیکھا ہے کہ حجون سے خون کی سیل چلی اور خندمہ میں ٹھہر گئی۔ پھر یہ خون غائب ہوگیا۔ لوگوں نے اس خواب کو ناپسند کیا۔

جس نے یہ خواب سنا خوفزدہ ہوگیا۔ خوف زدہ ہونے کا سبب واضح ہے۔ انہوں نے جو بے حساب مظالم اپنے ضمیر کی آواز کو نظر انداز کر کے مسلمانوں پر کیے تھے ان کے خیال میں اب اس کے حساب وکتاب اور پاداش کا وقت آ گیا۔

ابوسفیان نتائج کے دھارے کو موڑنے کی فکر میں مدینہ پہونچ گئے۔ ان کی بیٹی ام المومنین حضرت امّ حبیبہ جناب رسول خداؐ کی بیوی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے ذریعہ سے تمام ناسازگار حالات کو بدل دیں گے۔ لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی مایوسی نے ان کے پاؤں پکڑ لئے۔ ابوسفیان نے چاہا کہ جناب رسول خداؐ کے بستر پر بیٹھیں۔ زرقانی لکھتے ہیں فطوتہ۔ جیسے ہی ابوسفیان جناب رسول خدا کے بستر پر بیٹھنے کے لئے بڑھے حضرت امّ حبیبہ نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا میں اس بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ یا یہ بستر میرے قابل نہ تھا۔ حضرت امّ حبیبہ نے نہایت جرات سے جواب دیا۔

بل هو فراش رسول الله و انت رجل مشرک نجس و لم احب ان تجلس علی فراشه۔ بلکہ یہ رسول خدا کا بستر ہے اور آپ مرد مشرک نجس ہیں میں نے پسند نہیں کیا کہ آپ رسول خدا کے بستر پر بیٹھیں۔[2]

ابوسفیان نے کہا میرے بعد تم میں برائی پیدا ہوگئی حضرت ام حبیبہ نے فرمایا بلکہ مجھے اللہ نے اسلام کی ہدایت کی۔ آپ قریش کے نمایاں آدمی ہیں۔ آپ کیوں اسلام قبول نہیں کر لیتے۔ آپ سے کیسے ہوتا ہے کہ آپ ایسے پتھر کی پوجا کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ ابوسفیان یہاں سے چلے گئے۔ اور خود جناب رسول خداؐ سے درخواست کی، صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید فرما دیجئے، اور معاہدہ کی مدت بڑھا دیجئے۔ رسول خداؐ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ابوسفیان حضرت ابوبکر وعمر کے پاس آئے اور سفارش کے خواہش مند ہوئے انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر وہ حضرت علیؑ

۱۔ زرقانی، ج ۲، ص ۲۹۲ ۲۔ ایضاً، ص ۲۹۳

کے پاس آئے امام حسن گھٹنیوں چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے حضرت علیؑ سے کہا۔ آپ رسول خداؐ سے ہماری سفارش کریں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہم اس معاملے میں جناب رسول خداؐ سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

ابوسفیان نے جناب سیدہؑ سے کہا کہ آپ اس بچہ کو حکم دیں کہ یہ لوگوں کو پناہ دے۔ یہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار ہوجائے گا۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا کہ ابھی ہمارے بچے کی یہ عمر نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو پناہ دینے کی ذمہ داری لے۔ اور جناب رسول خداؐ کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ ابوسفیان بالکل ناکام واپس ہورہے تھے وہ چاہتے تھے کہ کچھ تو لے کے پلٹیں۔ انہوں نے پھر حضرت علیؑ سے کہا۔ ''معاملہ بہت شدید ہوگیا ہے''۔ آپ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ امیرالمومنین حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے تمہیں فائدہ پہونچ سکے۔ تم خود لوگوں کو پناہ دو اور مکہ واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا کیا اس سے کچھ فائدہ پہونچے گا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ فائدہ نہیں پہونچے گا لیکن اس مشورے کے سوا اور کوئی بات میرے ذہن میں نہیں ہے۔ ابوسفیان مسجد نبوی میں آئے اور پکار کر کہا میں نے لوگوں کو پناہ دی۔ پھر وہ مکہ چلے آئے۔ ابوسفیان کو مکہ واپس آنے میں دیر ہوئی۔ ان کے تلون مزاج اور مفاد پرستی سے کون واقف نہ تھا۔ قریش نے ان پر شدید تہمت لگائی کہ یہ صابی ہوگیا۔ اور مخفی طور پر اس نے محمد کی پیروی کرلی ہے اور اپنے اسلام کو چھپائے ہے۔ رات کو گھر پہونچے تو ان کی بیوی ہندہ نے کہا۔ تمہاری واپسی تاخیر سے ہوئی قریش نے تم پر تہمت لگائی۔ پھر پوچھا کہ تم نے کیا کیا۔ انہوں نے سب باتیں بتائیں۔ ہندہ نے ان کے سینہ پر ایک لات ماری اور کہا کہ تم نے کوئی کام کی بات نہیں کی۔ ابوسفیان نے اساف اور نائلہ کے سامنے اپنا سرمنڈوایا۔ اور قربانی کی اور ان کے سر پر خون ملا۔ اور کہا اس وقت تک تمہاری عبادت کرتا رہوں گا جب تک موت نہ آجائے یا قریش مجھے تہمت سے بری نہ کردیں۔[۱] قریش کی جب ان سے ملاقات ہوئی تو قریش نے پوچھا کہ کیا ہوا۔ ابوسفیان نے کہا میں نے محمدؐ سے بات کی۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ ابوبکر وعمر سے ملا کچھ بھلا نہیں ہوا۔ علیؑ کو نسبتاً نرم پایا۔ انہوں نے مجھے ایک بات بتائی اس پر میں نے عمل کیا۔ معلوم نہیں کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا یا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا بتایا۔ کہا۔ انہوں نے کہا تم خود لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان کردو۔ میں نے اس

۱۔ زرقانی، ج ۲، ص ۲۹۴

پرعمل کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا محمدؐ نے اس تجویز کو مانا۔ کہا نہیں لوگوں نے کہا پھر تو علیؑ نے تم سے ایک مذاق کیا۔ تم نے جو کچھ کہا اس سے تمہیں کچھ فائدہ نہ پہونچے گا۔ ابوسفیان نے کہا اس کے سوا کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔[۱] قریش نے کہا نہ تم جنگ کی خبر لائے کہ ہم چوکنا ہو جاتے اور نہ صلح کی خبر لائے کہ ہم چین سے بیٹھتے۔[۲]

رازدارانہ تیاری

جناب رسول خداؐ نے قریش کو فتنہ و فساد کی راہ سے ہٹانے کے لئے تیاری کی اور عوام کو یہ نہیں بتایا کہاں جانے کے لئے تیاری ہو رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں حضرت نے سفر کا مقصد راز میں رکھنا چاہا اور کسی کو یہ رائے زنی کا موقع نہیں دیا کہ فوج کہاں جائے گی۔ ابن ہشام نے[۳] لکھا ہے کہ رسول خداؐ نے عام طور پر لوگوں سے کہہ دیا کہ آپ مکہ جا رہے ہیں۔ اور لوگوں کو حکم دیا کہ مکہ چلنے کی تیاری کریں۔ اور حضرت نے خدا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اللھم خذ العیون و الاخبار عن قریش حتی بنعتھا فی بلادھا۔

پروردگار! جاسوسوں کو اپنی گرفت میں لے۔ اور ان تک خبریں نہ پہونچنے دے۔ تاکہ ہم اچانک ان کے وطن میں پہونچ جائیں۔[۴]

حضرت کی یہ کوشش تھی کہ قریش کو آپ کی آمد کی اطلاع نہ ہو تاکہ وہ جنگ کی تیاری نہ کرسکیں اور بغیر کسی تصادم کے مکہ کی تاریخ بدل جائے۔

افشائے راز کا سانحہ

لیکن حاطب بن ابی بلتعہ (وعمرو بن عمیر نجمی حنیف بنی (سد) نے خفیہ طور پر ایک خط قریش کو لکھا جس میں یہ راز فاش کر دیا کہ رسول خداؐ مکہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔

اس خدمت کے عوض میں اس عورت کو ایک دینا ریا دس دینار دئے۔ اس سے کہا گیا کہ جہاں تک تمہارا بس چلے اس خط کو پوشیدہ رکھنا۔ شاہراہ سے نہ گزرنا وہاں فوج کا پہرہ ہے۔ اس عورت کا نام کسی نے ''مزنیہ'' کسی نے سارہ کسی نے اس کی کنیت کنود کسی نے اسارہ لکھا ہے۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ عمرو بن ہاشم بن مطلب کی کنیز تھی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ عباس کی کنیز تھی۔[۵] ابن ہشام نے لکھا

۱- سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۴ ۲- زرقانی، ج ۲، ص ۲۹۴ ۳- سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۴
۴- زرقانی، ج ۲، ص ۲۵ ۵- اصابہ، ج ۲، ص ۲۹۵

ہے کہ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ وہ بنی عبد المطلب کی کنیز تھی۔ اس نے یہ خط سر کے بالوں میں رکھ کر اس پر جوڑا باندھ لیا تھا رسول خداؐ کو اس سازش کی خبر ہوگئی۔ ابن ہشام کی روایت کی بنا پر[1] تفسیر بیضاوی میں عمار وطلحہ کا نام بھی اس ذیل میں ملتا ہے[2] حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی اس عورت کی گرفتاری کے لئے چلے۔

مدینہ سے کچھ فاصلے پر ''روضہ خاخ'' میں وہ عورت مل گئی۔ کسی نے لکھا کہ خلیقہ بن ابی احمد میں ملی خلیقہ مدینہ سے ۱۲ میل پر ایک منزل ہے۔ ابن عقبہ کا خیال ہے کہ ''بطن ریم'' میں ملی۔ مدینہ کی ایک وادی ہے زرقانی نے یہ احتمال پیدا کیا ہے کہ روضہ ایک جگہ ہوسکتی ہے جس میں ''بطن ریم وخلیقہ'' شامل ہوں۔ اس عورت کو سفر جاری رکھنے سے روکا گیا۔ اس سے کہا گیا کہ تمہارے پاس جو خط ہے اسے پیش کرو۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا:

"انّی احلف باللّٰہ ماکذب رسول اللّٰہ"

میں خدا کی قسم کھاتا ہوں رسول خدا نے جھوٹ نہیں کہا۔[3]

تم خط پیش کردو ورنہ تمہاری تلاشی لی جائے گی۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ خط کو حاصل کر کے رہیں گے تو اس نے کہا۔ ذرا منھ پھیر لیجئے۔ حضرت علیؑ نے منھ پھیر لیا اس نے اپنے جوڑے سے خط نکالا اور حضرت علیؑ کو دے دیا۔

حضرت علیؑ نے وہ خط رسول خدا کی خدمت میں پیش کردیا۔

خط کا مضمون

یا معشر قریش فان رسول اللّٰہ جاء کم بجیش عظیم یسیر کالسبیل فو اللہ لو جاء کم وحدہ نصر اللّٰہ والبحر لہ وعدہ بنصرہ فانظروا لانفسکم والسلام۔[4]

''گروہ قریش رسول خداؐ تمہارے پاس عظیم فوج لے کر آرہے ہیں۔ وہ مثل سیلاب کے چلتی ہے۔ اگر وہ تنہا آتے تب بھی اللہ ان کی مدد کرتا اور اپنا وعدہ نصرت پورا کرتا۔ لہٰذا اپنی خبر لو''۔

رسولؐ خدا نے حاطب سے باز پرس فرمائی اور پوچھا کہ یہ تم نے کیا حرکت کی۔

۱- ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۴ ۲- زرقانی، ج ۲، ص ۲۹ ۳- ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۵

۴- زرقانی، ج ۲، ص ۲۹۸

حاطب نے کہا کہ میرے ایمان میں کوئی تغیر وتبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اصل وجہ یہ ہوئی کہ قریش سے میرا کوئی رشتہ نہ تھا۔ میں ان کا حلیف تھا۔ میرے اہل وعیال مکہ میں تھے میں نے اس خط کے ذریعہ سے ان پر احسان کرنا چاہا کہ وہ اس کے عوض میں صرف میرے متعلقین کی حفاظت کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ میری تحریر سے اللہ اور اس کے رسول کو کچھ نقصان نہیں پہونچ سکتا تھا۔ ۱

حضرت عمر نے جناب رسول خداؐ سے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ ۲ (اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مومن سے خیانت کی ہے۔) ۳

ابن ہشام اور زرقانی نے لکھا ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت عمر کے جواب میں فرمایا۔

لعلی اللہ اطلع علی اصحاب بدریوم بدر فقال اعملوا ماشئتم غفرت لکم ''اللہ نے بدریوں سے جنگ بدر کے مقام پر فرمایا کہ جو چاہو کرو میں تم کو بخش دوں گا''۔ ۴

اس حدیث کی صحت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ حاطب نے اتنا بڑا ارتکاب جرم کیا۔ ایسی خطرناک سازش کی اگر وہ کامیاب ہوگئی ہوتی اور خط اہل مکہ کو پہونچ گیا ہوتا تو رسول خداؐ کی یہ تجویز پوری نہ ہوتی کہ بغیر ایک قطرہ خون کے ضائع ہوئے مکہ کی تاریخ بدل جائے۔ قریش مغلوب ہوجائیں اور مکہ اسلامی قلمرو میں شامل ہوجائے۔ اس حدیث سے اہل بدر کو ارتکاب جرائم لامتناہی اور سازشوں کا حق حاصل ہوتا ہے اور ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جاسکتی ہے۔ زرقانی نے علماء کا اتفاق اس حدیث کی تشریح میں درج کیا ہے کہ اس بشارت کا تعلق احکام آخرت سے ہے۔ احکام دنیا سے نہیں۔ اہل بدر حدود و تعزیرات سے مستثنیٰ نہ تھے۔ ۵ حاطب کے اس مکروہ فعل کو تاویل پر مبنی کہنا جرائم کے جواز کی ایک بڑی شاہراہ کھول دیتا ہے۔ کیا اگر کوئی غیر بدری جاسوسی کا کام کرتا تو اسے قتل کی سزا دی جاتی۔ صرف بدری ہونے کی وجہ سے حاطب سزا سے بچ گئے۔

ابن ہشام اور زرقانی نے لکھا ہے کہ حاطب کے اس واقعہ سے متعلق قرآن میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

''ایما ندارو! اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور تمہارے دین حق سے وہ لوگ انکار کرتے ہیں۔ وہ لوگ رسولؐ کو اور تم کو اس بات پر گھر سے نکالتے

۱- زرقانی، ج ۲، ص ۲۹۶ — ۲- ۲۹۶، ۲ زرقانی ابن ہشام، ج، ص ۲۹۵ — ۳- زرقانی، ج ۲، ص ۲۹۷

۴- ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۵ — ۵- زرقانی، ج ۲، ص ۲۹۶

ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے ہو۔ اورتم ہو کہ ان کے پاس چھپ چھپ کے دوستی کا پیام بھیجتے ہو۔ حالانکہ تم چھپے چوری یا اعلانیہ کچھ کرتے ہو میں اس سے خوب واقف ہوں۔ تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔ اگر یہ لوگ تم پر قابو پا جائیں گے تو تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور ایذا کے لئے تمہاری طرف اپنے ہاتھ بھی بڑھائیں گے اور اپنی زبانیں بھی۔ اور چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہارے رشتے ناتے کچھ کام آئیں گے نہ تمہاری اولاد، اس دن وہی فیصلہ کردے گا۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا دیکھ رہا ہے۔ تمہارے واسطے تو ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کا عمل اچھا نمونہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جنہیں خدا کے سوا تم پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے دین کے منکر ہیں اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ ہمارے تمہارے درمیان کھلم کھلا عداوت قائم ہوگئی'' ۔[1]

یہ آیتیں صراحتاً اس شخص کے عمل کی تنقید کررہی ہیں اور اسے سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا کہہ رہی ہیں۔ اہل بدرکو پروانۂ مغفرت دینے والی حدیث یا حاطب کے فعل کی مختلف تاویلوں کی کوشش ان آیات سے مطابقت نہیں رکھتی۔

جناب رسول خداؐ نے حاطب کو کوئی سزا نہیں دی غالباً یہ واقعہ بھی حضرتؐ کی درگزر اور بغیر کسی قتل وخوں ریزی کے غلبہ کی اسکیم کا ایک جز بتا کر آیت نے ان کے اس فعل پر سرزنش کی اس کو اس وقت کافی سمجھا گیا۔ اہل بیت کرام کے اسناد سے کسی ضعیف روایت سے بھی اہل بدر کے لئے اعملوا ماشئتم کی تائید نہیں ہوتی۔ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو میرے ذہن میں اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت نے یہ طنز وتعرض کے طور پر فرمایا تھا جسے لوگوں نے بشارت کے معنی دے دئے۔

مدینہ سے روانگی

رسول خداؐ ۱۰ ر رمضان المبارک ۸ھ کو مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مہاجرین و انصار کے علاوہ سلیم و مزینہ وغطفان نامی قبائل بھی ساتھ ہوگئے تھے۔ راستے میں اور لوگ بھی شریک ہوتے گئے سب لوگ مسلح تھے سب کو اپنی فتح پر پورا اعتماد تھا۔ رسول خداؐ کے ذہن میں بار بار جو خیال گردش کررہا تھا وہ یہ تھا کہ زمین پر خون کا کوئی قطرہ نہ گرنے پائے اور امن وسلامتی سے مسجد حرام میں داخل ہو جائیں۔ مکہ سے ۴ فرسخ کے فاصلے پر مر الظہران'' میں فوج پہونچ گئی۔ فوج کی تعداد اس

۱- سورہ ممتحنہ ، آیہ ۳

وقت ۱۰ ہزار تھی۔ قریش کو فوج کی آمد کی ابھی خبر نہ تھی۔ ابھی وہ آپس میں یہ بحث کر رہے تھے کہ اگر محمدؐ نے مکہ پر حملہ کیا تو ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔

حضرت عباس کی رسول خداؐ سے ملاقات

عباس بن عبد المطلب رسول خداؐ کے چچا اپنے اہل وعیال کے ساتھ رسول خداؐ سے مقام جحفہ میں ملے جو مکہ سے چار فرسخ پر ہے۔ ڈاکٹر ہیکل کا خیال ہے کہ شاید بنی ہاشم کے کچھ لوگوں کو رسول خداؐ کی آمد کی اطلاع تھی یہ ان کو شبہ تھا کہ رسول خداؐ مکہ کو فتح کریں گے۔ یہ لوگ رسول خداؐ سے آ کر مل گئے تا کہ ان کو کسی پریشانی سے کوئی سابقہ نہ ہو۔

بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ عباس رسول خداؐ کی فوج سے مقام رابغ میں ملے۔

بعض کا کہنا ہے کہ قبل اس کے کہ حضرت رسول خداؐ مکہ کا ارادہ کریں عباس مکہ سے مدینہ گئے اور مسلمان ہو گئے اور مسلمان فوج کے ساتھ مدینہ سے مکہ آئے لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ بنی عباس کے زمانے میں سیرت نگاری کا کام ہوا۔ ان کی خوشی حاصل کرنے کے لئے ان کے مورث اعلیٰ کی فضیلت میں یہ روایت گھڑی گئی۔ ہجرت کے قبل جب رسول خداؐ مکہ میں تھے تو عباس نے اسلام قبول نہیں کیا اس لئے کہ عباس کا پیشہ تجارت تھا اور وہ سود خور تھے۔ اسلام سود سے روکتا تھا اور تجارت کے بعض اقسام کا مخالف تھا۔ اگر عباس مسلمان ہو گئے ہوتے اور ہجرت کر کے مدینہ آ گئے ہوتے تو ابوسفیان تجدید عہد کے لئے مدینہ آئے تھے ان ہی سے ملتے اس لئے کہ مکہ میں ابوسفیان اور عباس کے تعلقات دوستانہ تھے صحیح یہی ہے کہ عباس ابھی تک مکہ میں تھے رسول خداؐ کی آمد کی اطلاع کسی ذریعہ سے ان کو تھی وہ حضرت سے ملے۔ (ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب رسول خداؐ کے چچیرے بھائی تھے) اور عبد اللہ بن امیہ بن مغیرہ آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے ''شنتہ العقاب'' میں حضرت کے پاس آئے۔ حاضری کی اجازت چاہی۔ حضرتؐ نے ان دونوں سے ملنے سے انکار فرمایا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ نے ان دونوں کی حضرت سے سفارش کی۔ حضرت نے فرمایا یہ میرے چچیرے اور پھوپھیرے بھائی ہیں۔ انہوں نے مجھے پریشان کرنے میں کیا کسر اٹھا رکھی تھی۔ ان لوگوں نے گریہ وزاری کی تو حضرتؐ نے انہیں آنے کی اجازت دی۔ یہ ملے اور مسلمان ہو گئے۔

ڈاکٹر ہیکل لکھتے ہیں کہ عباس بن عبد المطلب نے جب اپنے بھتیجے کی فوج اور قوت کو دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے اگر چہ وہ اسلام لا چکے تھے لیکن ان کا دل مکہ کے انجام سے گھبرا رہا تھا۔ رسول خداؐ کے

ساتھ فوج تھی وہ اتنی طاقتور تھی کہ بلاد عرب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ڈر رہے تھے کہ اگر یہ فوج مکہ پر حملہ کرے گی تو مکہ کا کیا حشر ہوگا۔

عباس نے اپنے دل کی بات رسول خداؐ سے بھی کہی اور یہ پوچھا کہ اگر قریش امان کے طالب ہوں گے تو آپ کا رویہ کیا ہوگا۔ جناب رسول خداؐ بغیر کسی خونریزی کے مکہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اور مکہ کے حرمت وتقدس کی حفاظت کرنا چاہتے تھے لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب کہ اہل مکہ مسلمانوں کے مکہ میں داخلے کی مزاحمت نہ کریں اور ان پر حملہ نہ کریں۔ حضرت عباس نے غالباً جناب رسول خداؐ کا ارادہ پالیا کہ حضرتؐ مکہ پر حملہ نہیں کرنا چاہتے۔

عباس جناب رسول خداؐ کے سفید خچر پر سوار ہوکر ''اراک'' کی طرف آئے کہ شاید کوئی لکڑی جمع کرنے والا یا دودھ والا یا کوئی جانے والا مل جائے تو اس سے اہل مکہ کو یہ پیام بھجوادیں کہ مسلم فوج کا مقابلہ ممکن نہیں ہے قبل اس کے کہ رسول خداؐ مکہ میں داخل ہوں اہل مکہ کی خیریت اسی میں ہے کہ وہ پہلے ہی حضرتؐ سے امان کے طالب ہوجائیں۔

قریش کے جاسوسوں کی فکرمندی

مسلمان جب ''مرالظہران'' تک پہونچ گئے تھے۔ قریش کو محسوس ہونے لگا تھا کہ خطرہ سے اب وہ دوچار ہونے ہی والے ہیں۔ انہوں نے گھبرا کر ابوسفیان بن حرب و بدیل ورقا اور حکیم بن خرام کو جو حضرت خدیجہ کے عزیز قریب تھے حالات کی اطلاع اور خطرے کے اندازے کے لئے بھیجا۔ عباس جناب رسول خداؐ کے خچر پر سوار جا ہی رہے تھے کہ انہوں نے ابوسفیان بن حرب بدیل بن ورقا کو بات کرتے ہوئے سنا۔

ابوسفیان کہہ رہے تھے کہ آج کی طرح ''آگ اور ایسی فوج میں نے کبھی نہیں دیکھی''۔

بدیل نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قبیلۂ خزاعہ جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا کہ خزاعہ میں اتنا دم خم کہاں ہے کہ اس قدر آگ روشن کرسکے اور اتنی بڑی فوج لے آئے۔

ابوسفیان کو جاں بخشی کی فکر

عباس نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی ابوسفیان کو پکار کر کہا۔ یہ رسول خداؐ کی فوج ہے۔ صبح کو مکہ کا کیا

حشر ہوگا اگر فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے۔ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ تم پر نثار۔ جاں بخشی کی کیا صورت ہے۔ اس لجاجت اور خوشامدانہ استدعا پر عباس نے ابوسفیان کو اپنے پیچھے خچر پر بٹھالیا۔ اور بدیل وحکیم کو مکہ واپس کردیا۔ اور مسلم فوج کی طرف بڑھے۔ عباس رسول خداؐ کے خچر پر سوار تھے یہ اس بات کی علامت تھی کہ جناب رسولؐ خدا کی طرف سے ان کو پناہ دے دی گئی ہے۔ ابوسفیان عباس کے پیچھے بیٹھے تھے دس ہزار فوج کے درمیان سے گزر رہے تھے جس نے آگ کے شعلوں سے فضا کو مہیب بنادیا تھا۔ جب خچر حضرت عمر کی طرف سے گزرا تو انہوں نے ابوسفیان کو پہچان لیا۔ اور سمجھ گئے کہ عباس ان کو جناب رسول خداؐ کے پاس پناہ دلوانے کے لئے جارہے ہیں۔ وہ رسول خداؐ کے پاس ان کے پہونچنے سے پہلے ہی جلدی سے پہونچ گئے اور حضرت سے اجازت چاہی کہ حکم ہو تو ابوسفیان آرہا ہے اس کی گردن اڑادوں عباس بھی پہونچ گئے۔ حضرت عمر ابوسفیان کی گردن زدنی کے لئے اصرار کررہے تھے اور عباس پناہ دلوانے کی سفارش کررہے تھے۔ دونوں میں سخت کلامی کی نوبت آگئی۔ رسول خداؐ نے عباس سے فرمایا کہ ابوسفیان کو اپنے پاس رکھئے۔ صبح لے کر آیئے۔[1]

مولانا شبلی اس مقام پر لکھتے ہیں: ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے اب سب کے سامنے تھے۔ اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعوے دار تھی۔ اسلام کی عدوات، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرتؐ کے خفیہ قتل کرانے کی سازش۔ ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہوسکتی تھی۔ لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی۔ اس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ خوف کا مقام نہیں۔

ابوسفیان کا سیاسی اسلام

صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہوتے ہی ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ لیکن طبری میں ہے۔ جناب رسول خداؐ نے جب ابوسفیان کو دیکھا تو پوچھا کیوں ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے (ابوسفیان اس وقت شدید نفسیاتی کرب میں مبتلا تھے ان کے لجاجت آمیز کلمات سے ان کی پریشانی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ ابوسفیان نے یوں کلام شروع کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر نثار آپ بڑے صلۂ رحم کرنے والے بڑے حلیم وکریم ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر اور کوئی

۱- حیات محمد، محمد حسین ہیکل، ص ۴۰۴

خدا ہوتا تو آج میرے کچھ کام آتا۔

رسول خداؐ نے پوچھا کیا اب بھی تمہیں معلوم نہیں ہوا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔

ابوسفیان نے پھر رحم وکرم کی درخواست سے کلام شروع کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر نثار آپ بڑے ہی صلہ رحم کرنے والے بڑے ہی حلیم اور بڑے ہی کریم ہیں۔ جب یہاں تک پہونچے تو یہ توہمت نہ ہوسکی کہ کہتے ہیں کہ نبوت کے بارے میں میرے پہلے خیال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن بے ساختہ ان کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا۔ اما هذه خفی النفسر منها شي"۔ اس میں تو ذرا شبہ ہے۔[۱]

مولانا شبلی نے لکھا ہے:

''بہر حال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزل تھا لیکن مورخین لکھتے ہیں کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوۂ طائف میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک میں وہ بھی جاتی رہی''۔ مولانا نے طبری کے بیان کا ایک حصہ چھوڑ دیا ہے۔ جس میں ہے کہ ابوسفیان کے یہ کہنے کے بعد کہ آپ کی نبوت کے بارے میں اب بھی ذرا سا شبہ ہے۔ اس وقت حضرت عباس نے کہا قبل اس کے کہ تمہاری گردن اڑادی جائے سچائی کی گواہی دے دو۔ اس پر ابوسفیان نے کہا میں گواہی دے رہا ہوں کہ آپ خدا کے رسولؐ ہیں۔[۲]

مولانا کی نظر سے طبری کا یہ بیان بھی رہ گیا جس میں مذکور ہے کہ تصدیق نبوت کے تھوڑی ہی دیر بعد جب مسلمان فوج حرکت میں آئی اور ابوسفیان نے رسول خدا کو مہاجرین وانصار کے ساتھ مکہ کی طرف عظمت و وقار کے ساتھ بڑھتے ہوئے دیکھا تو عباس سے کہا۔ لقد اصبح ملک ابن اخیک عظیما۔

''تمہارے بھتیجے کا ملک تو بہت بڑا ہوگیا۔ اس پر عباس نے ان کو ٹوکا اور کہا۔'' ویحیک انها النبوة" تم پر افسوس ہے کہ یہ کوئی شاہی نہیں ہے بلکہ یہ نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ ہاں ٹھیک ہے۔[۳] جنگ حنین میں جب مسلمانوں کے پاؤں ابوسفیان نے اکھڑتے ہوئے دیکھے تو کہنے لگے یہ سمندر تک بھاگتے ہی جائیں گے۔[۴] جنگ یرموک جس میں انہوں نے اپنی دوسری آنکھ نذر کی خود

۱- محمد عبدالوہاب نبوی، سیرۃ الرسول، ص ۱۵، ۲۰۶ا ھ ۱۹۵۶ء   ۲- طبری، ج ۳، ص ۱۱۶   ۳- ایضاً، ص ۱۱۷

۴- ابوسفیان الفدا، ج ۲، ص ۴۳

شریک جنگ مسلمانوں کے بیان کے مطابق جب وہ رومی لشکر کو مسلمانوں پر غالب آتے دیکھتے تھے تو کہتے تھے (ایہ نبی الاصفر۔ شاباش روم کے بہادرو! اور جب مسلمانوں کو رومیوں پر غالب آتے دیکھتے تھے تو حسرت و یاس سے کہتے۔ ہائے افسوس رومی بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

موقع پرست انسان

حقیقت یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد بھی ابوسفیان کی زندگی کے کسی دور میں بھی اسلام ان کا عقیدہ نہ بن سکا وہ ایک موقع پرست آدمی تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی ٹڈی دل فوج کی گرفت میں مکہ آچکا ہے۔ تو انہوں نے حضرت عباس کی سفارش سے اس اعلان کی اجازت حاصل کرلی کہ دوسری پناہ گاہوں میں ان کے گھر کو بھی شامل کرلیا جائے۔ اجازت ملتے ہی وہ دوڑتے ہوئے خانہ کعبہ میں پہونچے اور چیخ کر کہا۔ محمد اتنی بڑی فوج لے کر آئے ہیں کہ تم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ لوگوں نے پوچھا پھر کیا کریں۔ ابوسفیان نے کہا۔ جو میرے گھر میں پناہ لے گا اسے امان دی جائے گی۔ لوگوں نے کہا تمہارے گھر میں کتنے آدمی سماسکتے ہیں۔ اب انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جو خانۂ کعبہ میں پناہ لے گا اسے بھی امان ملے گی۔[1]

فوج الٰہی کو امن وسلامتی کی شدید تاکید

افواج الٰہی کی سطوت اس وقت دیکھنے کے قابل تھی۔ قبائل کا دریا جوش مارتا ہوا آگے بڑھا۔ غفار جہینہ۔ یم۔سلیم ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ حضرت نے فوج کے سرداروں کو اہل مکہ کے ساتھ رحم وکرم اور نرمی کی انتہائی تاکید کردی۔ فرمایا: جب تک تم پر حملہ نہ ہو تم خود کسی پر حملہ نہ کرنا۔ جو ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کرنا۔ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا۔ کسی اسیر کو قتل نہ کرنا۔ کسی زخمی کو قتل نہ کرنا۔ جو حرم میں پناہ لے اسے کوئی گزند نہ پہونچایا جائے۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اسے بھی پناہ دی جائے جو ابوسفیان اور اس کے گھر میں پناہ لے اسے بھی پناہ دی جائے۔

سعد بن عبادہ کے تیور

حضرت اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سر جھکائے ہوئے انتہائی فروتنی وخضوع وخشوع کے ساتھ حرم کعبہ کی

۱۔ طبری، ج ۳، ص ۱۱۷

طرف جا رہے تھے اور سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔ سعد بن عبادہ انصاری اپنے دستہ فوج کے ساتھ علم لیے ہوئے گزر رہے تھے کہ ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی۔ بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا:
''الیوم یوم الملحمة۔ الیوم تستحل الکعبة''۔ آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کردیا جائے گا۔

ارشاد شیخ مفید میں ہے۔ الیوم تسبی الحرمة۔(یا۔عورتیں قید کرلی جائیں گی۔)

بخاری مناقب شہر آشوب میں اتنا اور اضافہ ہے:

یا معشر الاوس والخزرج ثارکم یوم الجبل [1]

حضرت عباس یا ابوسفیان نے رسول خداؐ کو سعد کے ارادہ کی اطلاع دی۔ حضرتؐ نے فرمایا ان باتوں میں سے کوئی بات نہ ہوگی۔ اور حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ وہ سعد سے علم لے لیں۔ [2] سعد نے حضرت علیؑ سے کہا کہ آپ کے سوا کوئی دوسرا مجھ سے علم نہیں لے سکتا تھا [3] غالباً علم نبوی نصب کرادیا گیا۔ بڑا حصہ فوج کا بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہوگیا۔ فوج کا موخر حصہ جو سرخ پوش تھا آنحضرتؐ کے ساتھ داخل ہوا۔ اس وقت حضرت ناقہ قصوی پر سوار تھے گردو پیش ہجوم بہت تھا۔ اس لئے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ کوہ حجون تک پہونچے جہاں پہلے سے علم نبوی نصب تھا۔ وہاں حضرتؐ کے واسطے خیمہ نصب کیا گیا۔ حضرت ناقہ سے اترے۔

بیزاری اور تلافی

آپ کو معلوم ہوا کہ خالد بن ولید نے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ خالد نومسلم تھے۔ بنی جذیمہ اور ان کے قبیلے سے عہد جاہلیت میں ان بن تھی حالانکہ یہ قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا۔ مگر خالد جذبہ عصبیت سے مغلوب ہوگئے اور بنی جذیمہ کے خون سے اپنی تلوار رنگ لی۔ خالد کی اس حرکت پر آنحضرتؐ کو بہت رنج ہوا۔ آپ نے ان کے عمل سے اظہار بیزاری فرمایا۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھایا اور درگاہ الٰہی میں گزارش کی۔

اللھم انی ابرء الیک مما منع خالد بن ولید۔ ''پروردگار! میں خالد کے فعل سے برأت و بیزاری کا اظہار کرتا ہوں''۔

آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ مقتولوں کا خون بہا ادا کردیں اور وارثوں کو تسلی دیں۔ حضرت

۱- بخاری، ج۱، ص۱۱۳ ۲- طبری، ج۳، ص۱۱۸ ۳- مناقب، ج۱، ص۱۱۳

علی علیہ السلام نے مقتولوں کا خوں بہا دینے کے ساتھ جانوروں کا بھی خوں بہا دیا۔ اور جو مال بچ رہا وہ بھی ان میں تقسیم کردیا۔ جب رسول خداؐ کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے مقتولوں کے وارثوں کی تسلی و دلدہی اور خدمت میں دلچسپی لی تو آپ بہت خوش ہوئے۔۱ خالد کی حمایت میں جو قلم کام کررہے تھے انہوں نے آنحضرتؐ کی بیزاری کے دور رس اثرات کو محسوس کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ آنحضرتؐ نے خالد سے باز پرس کی لیکن جب معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین نے کی تو ارشاد فرمایا کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔۲

عدیم المثال معافی

آنحضرتؐ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے ظلم و جور کا ستایا ہوا غریب الوطن اپنی رسالت و نبوت کو رحم و کرم عفوو درگذر سیر چشمی و بلند نظری وفیاضی سے ثابت کرنے آیا تھا۔ وہ شہر جس نے اس پر اور اس کے عقیدت مندوں پر مصیبتوں اور زیادتیوں کے پہاڑ ڈھا کر اجنبی شہر میں پناہ لینے پر مجبور کیا تھا۔ وہ شہر جو اس کی اور اس کے فدائیوں اور جاں نثاروں کی جان لینے کی قسم کھا چکا تھا اس کے باشندوں کی جانیں اب اس کے ہاتھ میں تھیں۔

بے رحم وظالم دشمن جو پر امن وحق جو مردوں اور عورتوں پر اپنے وحشت و بربریت کے ترکش کے کل تیر برسا چکے تھے اب ان کی عزت و آبرو جان و مال پر پوری طرح اس کا قبضہ تھا۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ فتح وعروج کی اس گھڑی میں تمام ہوشربا و زہرہ گداز تکلیفیں بھلادی گئیں۔ اور کسی کو نہ کوئی سزا دی گئی نہ قصاص لیا گیا نہ ان کے ظلم و زیادتی کا انہیں کوئی تاوان دینا پڑا۔

ایک روایت کی تنقید

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ آنحضرت سے دریافت کیا گیا کہ حضور کہاں قیام فرمائیں گے۔ کیا اپنے قدیم مکان میں۔ شریعت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا۔ ابو طالب آنحضرتؐ کے عم نے جب انتقال کیا تھا تو ان کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر تھے۔ اس لیے وہی وارث ہوئے یہ مکانات انہوں نے ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔

''عقیل نے گھر کہاں چھوڑا ہے کہ اس میں اتروں۔ اس لیے مقام حیف میں ٹھہروں گا''۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں قریش نے ہجرت سے پہلے آنحضرتؐ اور خاندان ہاشم کو مکہ سے نکال کر محصور کیا تھا''۔

۱۔ طبری، ج ۳، ص ۱۲۴ ۲۔ سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۴۷۲

میرا خیال ہے کہ دشمنان حضرت علیؑ نے حضرت ابو طالب رضوان اللہ علیہ کا کفر ثابت کرنے کے لئے یہ روایت گھڑی ہے۔ حضرت ابو طالب کا ایمان وعرفان شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ علاوہ اس کے اہل بیت کی فقہ میں کافر مومن کا وارث نہیں ہوسکتا مومن کافر کا وارث ہوگا۔

کعبہ میں داخلہ

شہر میں داخل ہوکر آنحضرتؐ پہلے کعبہ کی طرف چلے۔ کعبہ کے پاس پہونچ کر اس کا دروازہ پکڑ کر حضرتؐ نے فرمایا:

لاالہ الا اللّٰہ انجز وعدہ و نصر عبدہ و اعز جندہ و غلب الاحزاب وحدہ۔[1]

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی۔ اپنی فوج کو غالب کیا۔ اور تمام پارٹیوں کو تنہا مغلوب کردیا۔

اب وارث خلیل بیت اللہ میں داخل ہوا۔ لااحب الافلین کا وہ نعرہ جس نے بتان آذری کو قدیم طاقوں سے اتاردیا تھا۔ اب'' جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ''۔کی بجلی بن کر اصنام قریش پر گرا۔ انہیں الوہیت کے مقام سے اتار کر حقیر پتھر کا درجہ دے دیا۔

آپ کمان سے یا چھڑی کی نوک یا لکڑی سے ہر بت کو طاقوں سے نیچے گراتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو مٹنے ہی کی چیز تھی۔

جتنی تصویریں خانۂ کعبہ میں تھیں سب مٹادی گئیں۔ کعبہ کے اندر ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ ہبل کا بت بہت مشہور تھا۔ یہ بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا۔ یاقوت احمر کا تھا۔ اس کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر ''لا نعم'' لکھا ہوا تھا عرب جب کوئی کام کرتے تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتے ہاں یا نہیں جو نکلتا اس پر عمل کرتے ۔[2] ابو سفیان نے جنگ احد میں اسی ہبل کی جے پکاری تھی۔ جو بت نیچے تھے ان کو خود آنحضرتؐ نے توڑ ڈالا۔ اور جو اونچے تھے ان کو توڑنے کے لیے حضرت علیؑ کو اپنے دوش مبارک پر چڑھایا حضرت علیؑ نے انہیں توڑ کر گرادیا۔

دوش رسولؐ کا سوار

علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ: احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے میں اور رسول خدا دونوں کعبہ کے پاس آئے ۔رسول خداؐ نے فرمایا بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا حضرتؐ میرے

۱- مناقب ابن شہر آشوب، ج۱، ص ۱۱۴   ۲- معجم البلدان ذکر ہبل

شانے پر سوار ہوگئے۔ میں نے اٹھنا چاہا نہ اٹھ سکا۔ حضرت میرے شانے سے اتر آئے اور خود بیٹھ گئے اور مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے شانے پر بیٹھ جاؤں۔ امتثال امر کے لئے میں دوش مبارک پر سوار ہوگیا۔ حضرت مجھے لیے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو چھولوں۔ اوپر پیتل کا بنا ہوا ایک مجسمہ تھا۔ میں نے اسے ہلایا اور زمین پر پھینک دیا وہ شیشہ کی طرح چور چور ہوگیا۔[1]

صاحب حبیب السیر ومدارج النبوۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت نے دوش رسول خداؐ پر سوار ہوکر بتوں کو نیچے پھینکا تو جناب رسول خداؐ نے ان سے پوچھا کہ اے علیؑ تم اس وقت اپنے کو کیسا پا رہے ہو۔ فرمایا ایسا محسوس کررہا ہوں کہ تمام پردے سامنے سے ہٹ گئے ہیں اور میرا سر ساق عرش تک پہونچ گیا ہے۔ اور جس چیز کو چاہوں چھوسکتا ہوں۔ رسول خداؐ نے فرمایا کہ تمہیں مژدہ کہ تم خدا کا کام کررہے ہو۔ اور مجھے مژدہ کہ بارِ حق اٹھائے ہوئے ہوں۔

صاحب حبیب السیر ومدارج النبوۃ وغیرہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؑ بت شکنی کے بعد دوش رسولؐ سے زمین پر کودے اور ہنسنے لگے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا ہنسے کیوں۔ میں نے کہا اس لیے ہنسا کہ اتنی بلندی سے کودا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ حضرتؐ نے فرمایا تمہیں تکلیف کیسے پہونچتی محمدؐ نے تم کو اٹھایا تھا اور جبریل نے اتارا ہے۔ دوسرے لوگ گرد و نواح کے بت مسمار کرنے پر مامور ہوئے۔ ظہر کا وقت آیا۔ آنحضرتؐ نے بلال کو مامور فرمایا کہ کعبہ کی چھت پر جاکر اذان دیں۔ یہ منظر مشرکین مکہ کے لئے بے حد ناگوار تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے کہا اچھا ہوا کہ میرا باپ آج اس آواز کو سننے کے لیے زندہ نہیں ہے۔ حارث بن ہشام نے کہا۔

"محمدؐ کو اس سیاہ کوے کے سوا کوئی دوسرا موذن میسر نہیں آیا۔ ابو سفیان نے کہا میں کچھ کہوں گا۔ دیوار ہم گوش دارد۔[2] ایک سردار نے کہا۔ اب جینا بیکار ہے"۔

خطبہ فتح

حکومت الہیہ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے حضرتؐ نے اس موقع پر ایک نہایت اہم تقریر فرمائی اس وقت جسے صرف حاضرین نے سنا مگر اس کی عمومیت میں دنیا کا ہر انسان شامل ہے۔ فرمایا:

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اس نے اپنے

۱- تذکرہ خواص الامہ، مطبوعہ ص ۱۵، ۱۲۸۵ء ۲- مناقب شہر ابن آشوب، ج ا، ص ۱۱۴

بندوں کی مدد کی اور تمام پارٹیوں کو تنہا شکست دی۔ سنو! تمام مفاخر و انتقام خونہائے گزشتہ میرے پیروں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہے۔ قریش سنو! جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا۔ تم سب آدم کی نسل سے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ پھر قرآن کی آیت پڑھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: لوگو! میں نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ خدا کے نزدیک زیادہ شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ خدا مطلع و واقف کار ہے''۔

پھر فرمایا'' خدا اور اس کے رسولؐ نے شراب کی خرید وفروخت حرام کردی''۔

اس خطبہ میں پیغام توحید کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ عرب کا رواج تھا کہ اگر کوئی کسی کو قتل کردیتا تو اس کے خون کا بدلہ لینا خاندانی فرض ہوجاتا۔ اگر قاتل خود ہاتھ آجاتا تو قتل کیا جاتا۔ اور اگر طبعی موت مرگیا تو اس کے عوض میں اس کے خاندان یا قبیلے کا کوئی آدمی قتل کیا جاتا۔ انتقام کا حق وراثت میں ملتا سیکڑوں برس کے بعد بھی انتقام کا ولولہ دلوں میں جاگتا رہتا۔ خون کا انتقام عربی فضائل میں شامل تھا۔ آپ نے ظالمانہ انتقام اور تمام فرسودہ مفاخر کے طریقوں کو اپنے پیروں سے کچل دیا''۔

عرب اور تمام دنیا میں نسلی امتیاز کی بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس سے سماج کو شدید نقصان پہونچ رہا تھا۔ اسلام نے مساوات کی دولت تقسیم کرکے شاہ وگدا، امیر وغریب اور عرب وعجم سب کو برابر کا درجہ دیا۔

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع پر ایک نظر ڈالی۔ قریش کے متمرد وسرکش بے رحم و بے ادب وگستاخ سامنے موجود تھے۔ وہ بھی تھے جو ظلم وجور کی قیادت کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جن کا شعروادب رسول کی ہجوگوئی کے لئے وقف تھا۔ وہ بھی تھے جن کی آرزو تھی کہ وہ اپنی تشنگی رسولؐ کے خون ناحق سے بجھائیں۔ ان میں آدم خور بھی تھے۔ وہ بھی تھے جن کا جنون جنگ و جدال انہیں تیغ بکف مدینہ تک کھینچ لاتا تھا۔ وہ بھی جو مکہ کی جلتی ہوئی ریت پر بے سہارا مسلمانوں کو لٹاکر ان کے سینوں پر آتشیں مہر لگایا کرتے تھے۔

آپ نے رحم وکرم کے لہجہ میں ان سے پوچھا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے کیا برتاؤ کرنے والا ہوں''۔

ان کے پاس رسول خداؐ کے رحم وکرم کے سوا اپنی شفاعت کا کوئی وسیلہ نہ تھا۔ رسول خداؐ نے جو سوال کیا تھا کہ اس کے جواب کے لئے ان کے دماغ مفلوج اور زبانیں گنگ تھیں۔ مگر آنحضرتؐ

کے فتح مکہ میں مسلسل وواضح کردار نے ان کو جواب مہیا کردیا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اب تک حضرت نے ایک ایک قدم کس امن وسلامتی سے اٹھایا ہے۔ اب تک کا طرز عمل بتارہا تھا کہ رحم وکرم کا بادل برسے گا۔ اور عفو ودرگزر کی نسیم ان کے مایوس دلوں اور پژمردہ چہروں کو شاداب کردے گی۔ سب پکاراٹھے۔

''اخ کریم وابن اخ کریم۔ آپ شریف بھائی اورشریف بھتیجے ہیں''۔

اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"لاتثریب علیکم الیوم۔ اذھبوا فانتم الطلقا۔

تم سے کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ جاؤتم سب آزاد ہو''۔

بیعت

کوہ صفایامسجد جامع میں آپ جلوہ افروز ہوئے۔ لوگ جوق درجوق آنے لگے اور حضرت کے دست مبارک پر بیعت کرنے لگے۔ آپ ان سے عہد لیتے کہ کسی کو خدا کی ذات وصفات عبادت واعانت میں شریک نہ کریں گے۔ چوری، زنا، خون ناحق اورلڑکیوں کے زندہ درگورکرنے اورعورتوں پر بہتان تراشی سے پرہیز کریں گے۔

عورتوں سے بھی ارکان اسلام ومحاسن اخلاق کا اقرار لیتے اور اس کو کافی سمجھتے یاپانی کے حوض کے برتن میں اپنا ہاتھ ڈال دیتے۔ پھر بیعت کرنے والی عورتیں اسی برتن میں اپنا ہاتھ ڈال دیتی تھیں۔

مولانا شبلی لکھتے ہیں: ان مستورات میں ہندہ بھی آئی یہ وہی ہندہ ہے جورئیس عرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں تھی۔ حضرت حمزہ کو اسی نے قتل کرایا تھا اور ان کا سینہ چاک کرکے کلیجہ چبا گئی تھی۔ وہ نقاب پہن کر آئی۔ شریف عورتیں عموما نقاب پہنتی تھیں۔ لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے۔ بیعت کے وقت اس نے نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے باتیں کیں جوحسب ذیل ہیں:

ہندہ: یارسول اللہ آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں۔

رسول اللہ: خدا کے ساتھ کسی کوشریک نہ کرنا۔

ہندہ: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تونہیں لیا۔ لیکن بہرحال ہم کومنظور ہے۔

رسول اللہ: چوری نہ کرنا۔

ہندہ: میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول اللہ: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہندہ: ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا۔ اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں''۔[1]

پندرہ روز مکہ میں قیام کے بعد حضرت مدینہ منورہ واپس آ گئے اور معاذ بن جبل کو نومسلموں کی تعلیم کے لئے مکہ میں چھوڑ دیا۔

فتح مکہ کا اثر

جب مکہ پر مسلمانوں کو یہ عظیم فتح حاصل ہوگئی تو جو اسلام سے متاثر ہوتے بے روک ٹوک آزادی سے اسلام لاتے۔ قریش کی مزاحمت کا خاتمہ ہوگیا۔ بہت سے قبیلے اسلام کے قبول کرنے میں فتح مکہ کے منتظر تھے۔ وہ کہتے تھے۔

''اترکوه و قومه فانه ان ظهر عليهم فهو نبی صادق۔
محمدؐ کو اپنی قوم سے نپٹنے دو اگر وہ قوم پر غالب آ گئے تو سچے نبی ہیں''۔

مکہ کے باشندے عقیدہ رکھتے تھے کہ خانۂ کعبہ پر انسانی قوت غالب نہیں آ سکتی۔ ان میں ایسے لوگ ابھی زندہ تھے جنھوں نے ساٹھ ستر برس پہلے دیکھا تھا کہ فاتح یمن ابرہہ حبش چالیس ہزار جرار فوج کے ساتھ مکہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ساری فوج برباد ہوئی۔ چالیس ہزار میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچا۔ ہاتھی اور ابرہہ کے ساتھ سب مکہ سے چار کوس دور مردہ پڑے رہے۔ ان کی لاشیں سڑا کیں اس لئے وہ منتظر تھے کہ اب محمدؐ نے حملہ کیا ہے یا تو (معاذ اللہ) ابرہہ کی طرح ان کا اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی حشر ہوگا یا فتح یاب ہوں گے۔ جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو ان کی سمجھ میں آیا کہ تائید ربانی حضرت کے ساتھ ہے۔ وہ اسلام کی صداقت اور پیغمبرؐ اسلام کے بے مثال کردار سے متاثر ہوئے اور اسلام کو ذوق وشوق کے ساتھ قبول کرنے لگے۔

۱- سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۵۰۴